تذکرۂ دُرفشاں

۱۹۶۰ء

یعنی

تذکرۂ شعرائے تاریخ گو

از

سید خورشید علی مہرؔ تقوی جے پوری

دوسری جلد کی

ساتویں قسط

زیرِ نظر شمارے میں شاملِ اشاعت ہے

(۲) ۱۳۰۳ھ میں منشی گوبندسرن جے پوری حاکم عدالت دیوانی جے پور کے ایک انگریزی تصنیف ''دی کیمرن آف بکیشو'' کے دوسرے باب کا ترجمہ کر کے ''کرشمۂ قدرت'' کے نام سے طبع کروایا۔ خستہ نے قطعۂ تاریخ لکھا۔ جس کے آخری دو شعر یہ ہیں:

کیوں مادۂ سال میں خستہ! ہے تردّد
تاریخ میں بے ''جا'' ہے یہ سب ریشہ دوانی
　　　　　۴

کہتے نہیں کیوں صاف، کہ ہاں سال یہی ہے
''گوبند سرن جی نے لکھی خاص کہانی''

۱۳۰۷
تخرجہ ''جا'' - ۴
۱۳۰۳ھ

(مرسلۂ جناب شاغل عثمانی از جے پوری)

(۹۶۲) خرد بسوی

سید شاہ جلال ابن۔ وطن بسوہ (معلوم نہیں یہ مقام کہاں اور کس ضلع وغیرہ میں ہے۔) اکابر طریقت میں سے تھے۔ اکبر بادشاہ کے دور میں گزرے ہیں۔ شعر کا بھی مذاق تھا۔ تاریخ بھی کہتے تھے۔

عمر خاں شہید (خواجہ حسن ملتانی کے دوسرے بیٹے) اکبری عہد میں ایک مشہور آدمی ہوئے ہیں۔ وہ ۹۷۰ھ میں شہید کر دیے گئے۔ مرقد مارہرہ (یو۔ پی) میں ہے۔ ان کی شہادت کی تاریخ خرد نے حسب ذیل کہی:

از باغِ جہاں رفت عمر خاں افسوس
گردید بزیر خاک پنہاں افسوس
تاریخِ وفاتش ز خرد پرسیدم
گریاں شد و گفت ''حیف و از خاں افسوس''

۹۷۰ھ

(اشاریہ) اس قطعہ کے مادۂ تاریخ میں ''واز خاں'' سے اعداد سنہ مطلوب تو پورے ہو جاتے ہیں۔مگر اس کی معنویت ومفہوم قابلِ غور ہے۔مہر

(المشاہیر، مرسلہ حکیم اکرام حسین سیکری، از حیدر آباد پاک)

(۹۶۳) خرد دہلوی

فخر الدین خاں ابن نواب شرف الدین محمد خاں، ساکن دہلی، خدمت بخشی پر مامور تھے۔ شاعر خوش فکر تھے۔تاریخ کہنے کا بھی شوق تھا۔

(گلشن بے خار، ص ۶۵)

تاریخ کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

تذکرۂ گلشن بیخار مولفہ شیفتہ ۱۲۵۰ھ میں طبع ہوا۔آپ نے یہ تاریخ لکھی:

چوں جناب شیفتہ گلچین دہر
گلشنِ بیخار را از خار رُفت
مل جمع خرد تاریخ او
''نغمہائے طوطیانِ ہند'' گفت
۱۲۵۰ھ

(گلشن بیخار، ص ۲۴۷)

(اشاریہ) اس قطعہ کا تیسرا مصرع تذکرۂ مذکور میں اسی طرح طبع ہوا ہے۔شاید کتابت کی غلطی سے کوئی لفظ غلط یا کم وبیش چھپ گیا۔مہر

(۹۶۴) ذبیحی یزدی

نام اور ولدیت وغیرہ معلوم نہیں۔آپ کو فن جمل سے قدرتی طور پر لگاؤ تھا۔آپ ہی نے سب سے پہلے مجموعۂ الفاظ ہم عدد مرتب کیا۔آپ کے بعد کلیم ہمدانی نے دوسرا مجموعہ تیار کیا۔

کلیم ہمدانی کا زمانہ ۹۱۶ھ کے آس پاس کا ہے اور مولانا وحشی یزدی نے ۹۶۶ھ میں مثنوی

''ناظر ومنظور'' کی تاریخ لکھی۔اس حساب سے ذبیحی یزدی، کلیم ہمدانی اور مولانا وحشی کا زمانہ قریب قریب ہی معلوم ہوتا ہے۔

تسلیم سہسوانی نے ''ملخص تسلیم'' کے صفحہ ۳۵ پر لکھا ہے کہ ذبیحی اکابر شعرائے یزد میں سے تھے۔اور اپنے فکر بلیغ کی وجہ سے ملک الشعرا کے خطاب سے مشرف ہوئے۔

آپ نے مثنوی ''نرگس دان'' تصنیف کی۔جس میں نعت کے موقع پر چند شعر فنِ جمل سے بھی تعلق رکھتے ہیں:

محمدؐ رحمت للعالمین است
شفیعِ جرم بدکاراں ہمیں است
''محمدؐ'' با ''اماں'' توام ازان است
۹۲ ۹۲
محمدؐ گوئی از دوزخ اماں است
عدد شاہد برا اربابِ عرفاں
کہ جز ''حب محمدؐ'' نیست ''ایماں''
۱۰۲ ۱۰۲
''پیامبر'' ہم عدد با ''جبرئیل'' است
۲۵۵ ۲۵۵
میاں شاں اتحاد از ایں قبیل است
''نبیؐ ابطحی'' یعنی ''محمدؐ''
۹۲ ۹۲
بحق ''داعی'' بحقِ ''آلِ احمدؐ''
۸۵ ۸۵

(ملخصِ تسلیم، ص ۳۵)

(۹۶۵) ذہین تاجی جے پوری

محمد طس ابن پیر محمد دیدار بخش فراقی و دیدار، ساکن قصبۂ جھنجھنوں (ریاست جے پور)۔

(۱) ۱۳۶۱ھ میں مولوی عبدالسلام صاحب خیال، ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی۔ سب جج

ریاست جے پور کا انتقال ہوا۔ ذہین نے حسبِ ذیل تاریخی لکھی:

زندگی ناتمام گشت حیاتِ دوام
وصل بافہامِ خاص، مرگ بافواہِ عام
راجع انت السلام اجع منک السلام
''سید عبدالسلام رفت بدارالسلام''

۱۳۱۱ھ

(۲) ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۸ء میں حضرت عبدالکریم المعروف سید محمد بابا یوسف شاہ تاجی کا انتقال ہوا۔ تو آپ نے لوحِ مزار کے لیے فقروں سے تاریخیں حاصل کیں:

اللہ غفار واحد
۱۳۶۶ھ

تربتِ مقربِ ایزد
۱۳۶۶ھ

صاحبِ کرامت چشمۂ نور
۱۳۶۶ھ

چراغِ کعبۂ اجلال
۱۳۶۶ھ

نورِ دُربارِ چشت
۱۳۶۶ھ

تاجِ نہرِ بہشت
۱۳۶۶ھ

سعادتِ دوجہاں پیرومرشد
۱۳۶۶ھ

حبیبِ یزداں مولوی عبدالکریم المعروف سید بابا یوسف شاہ تاجی
۱۹۴۸ء

ہادیٔ راہ نوراللہ تعالیٰ قبرہ
۱۳۶۶ھ

تاریخ وصلِ پاک بابا
۱۳۶۶ھ

(۳) ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء میں جمشید احمد یوسفی کا انتقال ہوا۔ (ان کا مزار خانقاہ تاجیہ، کراچی میں ہے) آپ نے حسبِ ذیل تاریخیں لکھیں۔ جو ان کے مزار پر لکھی ہوئی ہیں۔

(الف)

زندگی خواب است دنیا در مثال
واقعہ آمد نظر خواب و خیال

آہ آں جمشید احمد یوسفی
خوش عقیدت، خوش طریقت، خوش خصال
بلبلِ بستانِ تاج الاولیا
نعت خوانِ مصطفیٰ، شیریں مقال
پنجشنبہ پنجدہ شعبان بود
بعد نصف اللیل کرد آں انتقال
سالِ رحلت گو ذہین! ازروئے ''وصل''
''کل شئی ہالک الّا ذوالجلال''

۱۲۴۹
جمع ''وصل'' کے اعداد ۱۲۶
۱۳۷۵ھ

(ب)

لولوئے خورشیدِ برجِ سلطنت
۱۹۵۶ء

بے دلِ ''جمشید تختِ کبریا''
۳۴ ۱۹۹۰
- ۳۴
۱۹۵۶ء

تکتشر تختِ لواہئہِ بہ
۱۳۷۵ھ

اِنہ طوبا غلامےِ مصطفا
۱۳۷۵

(اشاریہ) (۱) قطعہ (الف) میں ''روئے وصل'' کہنے سے یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ صرف ''و'' کے ۶ عدد کا تعمیہ کرنائے کی طرف اشارہ ہے۔ مگر آپ نے پورے لفظ ''وصل'' کے ۱۲۶ کا تعمیہ کر کے سال مطلوبہ (۱۳۷۵ھ) کے اعداد حاصل کیے ہیں۔

(۲) قطعہ (ب) میں پہلا مصرع تو ٹھیک ہے۔ مگر دوسرے مصرعے میں ''جمشیدِ تختِ کبریا'' کے اعداد

(۱۹۹۰) میں سے ''دل'' کے ۳۴ عدد کا تخرجہ کیا ہے۔ اس طرح پورے مصرع سے تاریخ نکالنے کی صورت میں تعمیہ تخرجہ کرنا تاریخ گوشعرا کے معمولات میں نہیں ہے۔ تاہم آپ نے لفظ ''دل'' کے اعداد کا تخرجہ کر کے اعداد مطلوبہ حاصل کیے ہیں۔

اسی طرح تیسرے مصرعے میں ''لواہبِ'' لکھا بھی گیا ہے اور بولا بھی جاتا ہے۔ اس کے باوجود آپ نے ''ی'' کے اعداد چھوڑ کر ''لواہبِ'' کے اعداد ۵۲ کے بجائے ۴۲ محسوب کیے ہیں۔ یہ ترکیب بھی خلاف اصول ہے۔

چوتھے مصرعے میں ''طوبیٰ'' کے بجائے ''طوبا'' اور ''مصطفیٰ'' کے بجائے ''مصطفا'' لکھ کر اعداد پورے کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ۱۰ عدد کی کمی رہ گئی۔ اس کمی کو میں نے ''علامے'' لکھ کر پورا کیا ہے۔ حالانکہ جمشید صاحب مرحوم کی قبر پر جو کتبہ لگا ہوا ہے۔ اس پر یہ مصرع اسی طرح لکھا ہوا ہے۔

انہ طوبیٰ غلام مصطفیٰ

جس کے اعداد ۱۳۸۳ ہوتے ہیں۔ مہر

(۹۶۶) ذوق دہلوی

محمد ابراہیم ابن شیخ محمد رمضان، ساکن دہلی، پیدائش ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۰۴ھ مطابق ۲۳ اگست ۱۷۸۹ء بمقام دہلی۔ شعروسخن میں بلند مرتبہ تھے۔ جمیع اصنافِ سخن پر قادر تھے۔ مگر قصیدہ گوئی میں زیادہ مشاق اور مشہور، بادشاہ دہلی ظفر کے استاد تھے۔ آپ کو خاقانی ہند کا خطاب آپ کی قصیدہ گوئی کی بنا پر ملا تھا۔ شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ مگر بعد میں خود بھی مسلم استاد ہوئے۔

۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ (۱۶ نومبر ۱۸۵۴ء) کو انتقال ہوا۔ آپ کی وفات پر کئی شعرا نے تاریخیں لکھیں۔ چھ تاریخیں درجِ ذیل ہیں۔

(۱) نساخ خالدی:

کی قضا ذوق نے افسوس ہے ہے
مرگ کا اس کے جہاں کو غم بجا ہے

سال کا نساخ نے مصرع یہ لکھا
''انتقالِ شاعرِ کامل ہوا ہے''

۱۲۷۱ھ

(سخن شعرا)

(۲) غالب دہلوی:

آپ نے ''ذوق جنتی'' کے ۱۲۶۹ اعداد میں دل ''احباب'' یعنی ۶ عدد کا تدخلہ کر کے ۱۲۷۱ھ حاصل کیا ہے۔

(نگار، جولائی ۱۹۶۰ء)

(۳) مرزا علی بیگ نازنین نے بھی (جو جان صاحب لکھنوی کے ہم طرز اور ہمعصر تھے اور ذوق کے شاگرد) ذوق کی تاریخ وفات کہی۔ پورا قطعہ نازنین کے حالات میں شاملِ تذکرۂ ہذا ہے۔ آخری مصرع تاریخ یہ ہے:

''میاں ذوق کو میں بوا آپ روئی''

۱۲۷۱ھ

(تذکرۂ ریختی مرتبۂ تمکین کاظمی، ص ۷۳)

(۴) شاہ ظفر:

شبِ چار شنبہ بماہِ صفر
بحکمِ خداوند جاں داد ذوق
ظفر روئے اردو بہ ناخن زغم
خراشید و فرمود ''استاد ذوق''

۱۲۷۲
تخرجہ - ۱
۱۲۷۱ھ

((۱) تاریخ ادب اردو
(۲) تاریخ نظم ونثر اردو)

(۵) حکیم میرٹھی: بالکل جدید طریقے سے تاریخ کہی، جو حسبِ ذیل ہے۔ اس کی توضیح حکیم کے حالات میں شاملِ تذکرہ ہذا ہے۔

شاعرے مرد اے حکیم! شاعری کرد ماتمش
اشک زدیدہ ریختہ، داغ نشاندہ بر جگر

(ام التواریخ)

(۶) وقارالدولہ محمد اسمٰعیل خاں فوق، خلف و شاگرد ذوق نے کہا:

ہر درد و غم کا دیکھا علاج اس جہاں میں فوق!
پر لاعلاج پایا تو پایا پدر کا غم
اس درد و غم کے سال جو ہم ڈھونڈتے تھے آہ
ازروئے درد سال بھی آیا ''پدر کا غم''
۱۲۶۷ ۴
تدخلہ + ۴
۱۲۷۱ھ

(از قلمی یادداشت افسر امروہوی، کراچی)

مولانا آزاد دہلوی نے ''آب حیات'' میں لکھا ہے۔ کہ شعرائے ہند نے جس قدر تاریخیں ذوق کی وفات پر لکھیں۔ آج تک کسی بادشاہ یا صاحب کمال کو نصیب نہیں ہوئیں۔ اردو اخبارات جو ان دنوں دہلی میں جاری تھے، ان میں کوئی اخبار ایسا نہ تھا جس میں ہر ہفتے کئی کئی تاریخیں نہ چھپی ہوں۔

(آبِ حیات)

(اشاریہ) یہ بیان وفاتِ ذوق کے سلسلے میں صحیح ہوسکتا ہے۔ اگرچہ مولانا آزاد نے کوئی تعداد نہیں لکھی۔ تاہم ممکن ہے کہ ان تاریخوں کی تعداد کافی ہو۔ مگر بیسویں صدی عیسوی (چودھویں صدی ہجری) میں بعض اور شعرا بھی ایسے گزرے ہیں، جن کی وفات پر سو اور ایک سو پچیس کے درمیان تاریخیں لکھی گئیں۔ ان شعرا میں علامہ سیماب اکبرآبادی ہیں (دیکھیے ماہنامہ پرچم، کراچی تعزیت نمبر) اور مائل دہلوی جے پوری (دیکھیے ''شاہدِ غم'' (۱۳۵۰ھ) مرتبہ شاد جے پوری)۔

خود ذوق کو بھی تاریخ گوئی سے دلچسپی تھی۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) اعظم الدولہ سرور (میر محمد خاں بہادر ابن نواب اعظم الدولہ ابوالقاسم بہادر مظفر جنگ،

صاحبِ ''عمدۂ منتخبہ یعنی تذکرہ سرور) نے ۱۲۳۶ھ میں سبع سیارہ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جس میں سات بحروں میں سات مثنویاں لکھ کر جمع کیں۔ ان مثنویوں میں خصوصیت کے ساتھ لائقِ ذکر ''یوسف زلیخا'' شیریں فرہاذ'' اور وامق عذرا'' اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پروفیسر حامد حسن قادری بچھرایونی (متوفی بتاریخ ۷ جون ۱۹۶۴ء) کے پاس کراچی میں موجود تھا۔ جواب ان کے صاحبزادوں کے قبضے میں ہے۔

ذوق نے اس کتاب (سبعِ سیارہ) کی تکمیل پر یہ تاریخی قطعہ کہا:

ز طبع اعظم الدولہ حکایات
بہ نظم مد کہ باشد ایں چنیں کم
بجستم سالِ نظمش را، یکا یک
رسید آواز از ہاتف بگوشم
کہ ذوق! ایں مثنوی در ہفت بحراست
بگو تاریخ ہم ''دریائے اعظم''
۱۲۳۶ھ

(عمدۂ منتخبہ، ص۱۳)

(۲) ۱۲۶۰ھ میں مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر نے کشمیری دروازہ دہلی کے قریب ایک عزاخانہ تعمیر کراویا۔ اس کی تاریخ مومن دہلوی نے بھی کہی۔ ذوق نے بھی تاریخ کہی:

تعزیت گاہِ امام دارین
۱۲۶۰ھ

(ادبی دنیا خاص نمبر، ۱۹۶۱ء)

(۳) ۱۳۵۱ھ میں مرزا شاہ رخ بہادر شاہ ظفر (بادشاہ دہلی) نے کئی شیروں کا شکار کیا۔ ذوق نے مدحیہ قطعہ لکھا۔ جس کا آخری حاملِ تاریخ شعر یہ ہے:

لکھی اے ذوق! میں نے یہ توصیف
مع تاریخ ''تاریخ رستم''
۱۲۶۱ھ

(دیوانِ ذوق، ص۱۱۴، مطبوعہ شیخ برکت علی اینڈ سنز، تاجران، کتب، لاہور)

(۹۶۷) ذکا حیدرآبادی

مولوی حبیب اللہ بن۔ سکونت حیدرآباد، دکن۔

ذکا حیدرآبادی (مولفِ غرایب الجمل) کے استاد تھے۔ آپ نے گول ''ۃ'' اور لمبی ''ت'' کے اعداد محسوب کرنے کے سلسلے میں اپنا فیصلہ مندرجہ ذیل قطعہ میں بیان کیا ہے:

من برنیم من برنیم من بریں
خان معنی اُنچہ می گوید بجاست
در حضورِ حق تواں گفتن، ذکا!
آخرِ لفظ ''صلواۃ'' تاست

(غرایب الجمل، ص۱۰۳)

(اشاریہ) معنی سے مراد مولوی وجیہ الدین خاں معنی حیدرآبادی۔ مہر

ذکا کو تاریخ گوئی میں بھی کافی مہارت تھی۔ تاریخی قطعات کے نمونے ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

(۱) ۱۲۸۵ھ میں نواب افضل الدولہ حیدرآبادی کی وفات پر کہا۔ جو حکیم نادر علی کے زیر علاج تھے۔ اور کسی غلط دوا کے استعمال کروا دینے پر یا کسی اور غلط حالات کی بنا پر فوت ہوئے۔

اے طبیبِ جانستاں نادر علی!
صحت از روئے تو دایم نارضا
کردۂ باافضل الدولہ چناں
کابنِ ملجم با علیٔ مرتضےٰ
ماجرا بس عبرت انگیز است لیک
حاصلے نبود بذکر ما مضےٰ
در گزر کردم از ''ایں'' تاریخ آں
۶۱
''چوں طبیب ابلہ شود آید قضا''
۱۳۴۶
تخرجہ - ۶۱
۱۲۸۵ھ

(اشاریہ) اس مصرع کے عدد (۱۳۴۶) ہیں۔ ذکا نے ۶۱ عدد کا تخرجہ کر کے ۱۲۸۵ھ حاصل کیا۔ اس

کے بعد شاد جے پوری نے ۱۳۴۶ھ میں حکیم اجمل خاں شیدا دہلوی کی وفات پر اسی پورے مصرع سے بغیر تعمیہ تخرجہ حاصل کی۔ (ملاحظہ ہو شیدا دہلوی)

(۲) ۱۲۹۰ھ میں مولوی سید غلام جیلانی مودودی کی وفات پر ذکا نے یہ تاریخ لکھی:

کلفت زدہ خاطرم سنش گفت
''ہَو ہَو سرِ شام شمع مردہ''
۱۲۹۰ھ

(غرایب الجمل، ص۳۷۷)

(۹۶۸) ذکا بلگرامی

میر اولاد محمد خاں ابن میر غلام امام۔ ساکن بلگرام، ۲۷ رجب ۱۱۵۱ھ کو وہیں پیدا ہوئے۔ آپ میر غلام علی آزاد بلگرامی کے برادرزادے تھے۔

تاریخ گوئی میں بے نظیر ہونا لکھا ہے۔ ۱۲۰۰ھ کے اوائل میں وفات پائی۔ بعض روایات میں ۱۲۰۵ھ یا ۱۲۰۸ھ میں آپ کی وفات ہے۔ مگر تذکرۂ نتایج الافکار میں خان قدرت اللہ نے ۱۲۰۰ھ کے اوائل میں ہی فوت ہونا لکھا ہے۔

خود ذکا نے عالمِ جوانی میں اپنی تاریخ ولادت (۱۱۵۱ھ) کہی:

روزے کہ نمود بندہ را حق ایجاد
اولاد محمد پدرم نام نہاد
گفتم تاریخ خویشتن را من خود
''در ماہِ رجب تولدِ ماروداد''
۱۱۵۱ھ

(محبوب الزمن، ص۴۳۸)

ایک روایت یہ ہے کہ بمقام اورنگ آباد، دکن ۱۲۱۵ھ میں انتقال ہوا۔

(تذکرۂ جلوۂ خضر، ص۱۵۲)

(اشاریہ) (الف) افسوس کہ مزید تاریخیں کسی تذکرہ نویس نے نہیں لکھیں۔ صرف ''گلِ رعنا'' میں ایک تاریخ ملتی ہے۔

(ب) صرف یہ لکھ دینا۔ کہ تاریخ گوئی میں بے نظیر تھے۔ دعویٰ بے دلیل ہے۔ مہر

۱۱۷۷ھ میں میر سراج الدین دکنی (تلمیذ حمزہ دکنی) کی وفات ۴ شوال کو بروز جمعہ ہوئی۔ آزاد بلگرامی، شفیق اورنگ آبادی نے تاریخیں لکھیں۔ ذکا نے بھی یہ قطعہ لکھا:

چراغ دودۂ آلِ عباس سراج الدین
کہ بود روشن از محفلِ سخندانی
نمود چارم شوال و صبحِ آدینہ
بشمع انجمن دہر دامن افشانی
ز تیرہ بزم جہانِ فنا بدارِ بقا
فروغِ ناصیۂ خویش کرد ارزانی
کشید شعلۂ تاریخ سر ز طبع ذکا
''سراج بزمِ ارم را نمود نورانی''
۱۱۷۷ھ

(گلِ عنا، ص ۹۱۔۹۲)

(۹۶۹) ذکی مراد آبادی

مہدی علی خاں ابن کرامت علی خاں، آباء واجداد لکھنؤ رہتے تھے۔ مگر آپ کا مولد ومسکن مراد آباد تھا۔ نواب محمد سعید خاں اور والی ریاست رام پور کی سرکار سے وظیفہ ملتا تھا۔ غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے زمانے میں لکھنؤ گئے۔ اور ناسخ لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ کچھ دنوں کے لیے دہلی گئے وہاں سے سہارن پور اور پھر حیدرآباد دکن پہنچے۔ وہاں ان کی بہت قدر ہوئی۔ حیدرآباد سے پھر لکھنؤ چلے گئے۔ وہ زمانہ واجد علی شاہ کا تھا۔ انھوں نے اپنی سرکار میں رکھ لیا۔ اور ''ملک الشعرا'' کا خطاب دیا۔ غدر کے بعد خانہ نشین ہو گئے تھے۔ لیکن آپ نے نواب یوسف علی خاں ناظم رامپوری کی شادی پر سہرا لکھا۔ اس کو سن کر نواب موصوف نے رامپور بلا لیا۔ آخر عمر تک وہیں رہے۔ ۱۲۸۳ھ میں وفات پائی۔

(جواہر سخن، جلد سوم، ص ۳۹۹۔۴۰۰)

آپ کا دیوان (کلیات ذکی) کے نام سے مکمل ہے۔ اور انجمن ترقی اردو کراچی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

آپ کو تاریخ گوئی میں بھی مہارت تھی۔ صاحب ''غرایب الجمل'' نے امام الفن لکھا ہے۔ آپ کی وفات پر جویا مراد آبادی نے قطعۂ تاریخ لکھا:

میر زمانہ سید مہدی علی ذکی(۱)
پہنچے بقا کو دارِ فنا پر نظر نہ کی
سالِ وفات ان کا جو میں ڈھونڈنے لگا
آئی ندائے غیب کہ ''جنت میں ہے ذکی''
۱۲۸۳ھ

(سرودِ غیبی)

(اشاریہ) ''جنت میں ہے ذکی'' کے اعداد (۱۲۹۸) ہوتے ہیں۔ اور ذکی کا سالِ وفات (۱۲۸۳) ہے۔ اس لیے بحالت موجودہ یہ مادۂ تاریخ نہیں ہے۔ ذرا غور کرنے سے پتہ چلا کہ پندرہ یہ عدد زاہد ہیں۔ اور ۱۵ عدد کا لفظ اس مادۂ تاریخ میں ''ہے'' موجود ہے۔ پس اگر ''ہے'' کم کر کے صرف ''جنت میں ذکی'' رکھا جائے۔ تو مادۂ تاریخ پورا ہو جاتا ہے۔ مہر

آپ کی تاریخوں کے نمونے یہ ہیں۔

(۱) ۱۲۴۲ھ میں ایک مسجد تیار ہوئی۔ آپ نے تاریخ لکھی۔ جو اس کی بنیاد رکھے جانے کو ظاہر کرتی ہے:

شد چو آغاز طرحِ ایں مسجد
صورتِ کعبہ شد بدل منقوش
سالِ تاریخِ ابتدائے بنا
''ہٰذہٖ قبلۃ'' بگفت سروش
۱۲۴۲ھ

(اشاریہ) اس میں تائے مدوّر کے چار سو عدد محسوب کیے ہیں۔ جو اصولی طور پر صحیح ہیں۔

(غرایب الجمل، ص ۱۱۰)

(۲) ۱۲۴۴ میں نواب ناصرالدولہ آصف جاہ والئی حیدرآباد دکن کے جلوس کی تہنیت میں بارہ اشعار لکھے۔ جن میں ہر مصرع سے ۱۲۴۴ھ حاصل ہوتا ہے اور وہبی سہسوانی کے لکھے ہوئے قصیدے کی

(۱) ''سخن شعرا'' میں آپ کا نام شیخ مہدی خلف شیخ کرامت علی اور تخلص ذکی لکھا ہے۔ مہر

طرح ہر مصرع کے حروف منقوطہ کے اعداد بھی (۶۲۲) ہیں اور حروفِ غیر منقوطہ کے بھی (۶۲۲) ہیں۔ اس وجہ سے اگر کسی بھی ایک مصرع کے حروف منقوطہ کو کسی بھی دوسرے مصرع حروف غیر منقوطہ کے اعداد میں جمع کیا جائے۔ تو مجموعہ ہر حال میں ۱۲۴۴ھ کے برابر ہوگا۔ اسی طرح اس کے برعکس عمل کیا جائے، تب بھی میزان ۱۲۴۴ ہی ہوگا۔ نیز اگر ایک مصرع کے منقوطہ دوسرے مصرع کے منقوطہ میں شامل کیے جائیں۔ یا کسی بھی مصرع کے حروف غیر منقوطہ کے اعداد کو کسی بھی مصرع کے غیر منقوطہ حروف کے اعداد میں ضم کیا جائے۔ تو بھی نتیجہ ۱۲۴۴ھ ہی کی صورت میں نمودار ہوگا۔

اس قصیدے کے چار شعر بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔ باقی اشعار کو بھی اسی طرح تصور کیا جائے۔

جوہر ناطق منم مشہور از حسن بیاں
منقوطہ (۶۲۲) ۱۲۴۴ھ غیر منقوطہ (۶۲۲)
وجہہ اشعارم زدل بیند، کنوں، کو قدرداں
منقوطہ (۶۲۲) ۱۲۴۴ھ غیر منقوطہ (۶۲۲)
دیدہ ام من درجہاں وقت رجا راہِ ملال
منقوطہ (۶۲۲) ۱۲۴۴ھ غیر منقوطہ (۶۲۲)
ہر کہ می دارد سند، سازد باوقت جہاں
منقوطہ (۶۲۲) ۱۲۴۴ھ غیر منقوطہ (۶۲۲)
نیستند از جواہر اہلِ دَوَل کہ بام قدر
منقوطہ (۶۲۲) ۱۲۴۴ھ غیر منقوطہ (۶۲۲)
یاد دارم از دل اعجب نکتہ ہا کو قدرداں
منقوطہ (۶۲۲) ۱۲۴۴ھ غیر منقوطہ (۶۲۲)
قلب اور الم شناسد از مدارا ہائے نطق(۱)
منقوطہ (۶۲۲) ۱۲۴۶ھ غیر منقوطہ (۶۲۴)
درک عاقل محا دہد از جوہرِ قابل نشاں
منقوطہ (۵۲۲) ۱۲۴۴ھ غیر منقوطہ (۶۲۲)

(۱) اس مصرع میں غیر منقوطہ حروف کے اعداد (۶۲۴) ہوتے ہیں اور منقوطہ حروف کے اعداد (۶۲۲) اور اس طرح مجموعی تعداد (۱۲۴۶) ہے۔ یعنی دو عدد زیادہ ہیں۔ ذکی سے اس میں تسامح ہو گیا ہے۔
(ملخص تسلیم، ص ۶۲۔ غرایب الجمل، ص ۳۴۶)

(۹۷۰) ضیا امرتسری

مولوی ضیاالدین (مفتی)۔ ابن۔

کشمیر میں پیدا ہوئے۔ وہاں سے امرتسر چلے گئے۔ وہیں تحصیل علوم کی۔ مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی، مولوی محمد عالم آسی امرتسری اور مولوی نور احمد امرتسری سے خاص طور پر مستفید ہوئے۔ شعر و سخن سے بھی شوق ہے۔ شاعری میں علامہ طغرائی کے شاگرد ہیں۔

آپ تحصیل علوم کے بعد امرتسر سے پھر کشمیر چلے گئے تھے۔ وہاں آپ کا شمار جید علما میں ہوتا تھا۔ کچھ روز پونچھ اور کشمیر میں مفتی کی خدمات پر بھی مامور رہے۔ تحریک آزادی کشمیر کے زبردست سپاہی ہیں۔ تقسیم ہندو پاک کے بعد پھر امرتسر آ گئے۔ اور اب (۱۹۶۲ء میں جب کہ آپ کے حالات راقم الحروف کو بہم پہنچائے گئے) گوجرانوالہ میں مقیم ہیں۔

آپ فارسی میں ''تاریخِ حریت کشمیر'' (منظوم) شاہنامۂ فردوسی کے طرز پر اسی کی بحر میں لکھ رہے تھے۔ نہیں معلوم اب (۱۹۶۴ء میں یعنی تا دم تحریر سطور ہذا) وہ کس نوبت پر پہنچا۔ مکمل ہو سکا یا مقتضائے عمر و حالات کی بنا پر نامکمل ہے۔ ۱۹۶۲ء میں آپ کی عمر تقریباً ستّر سال بتائی گئی تھی۔ اس حساب سے آپ کی ولادت کا سال تقریباً ۱۸۹۲ء قرار پاتا ہے۔

آپ کو تاریخ گوئی کا بھی شوق اور ملکہ ہے۔ نمونے درج ہیں۔

(۱) ۱۳۶۷ھ میں مولوی محمد یار فریدی بہاول پوری کی وفات پر یہ تاریخ کہی:

رواں عارفے شد ز دارِ فنا
بگشت از مقیمانِ ملکِ بقا
فدا جانِ او بُد بنامِ رسولؐ
شدہ سالِ وصلش ''غلامِ رسولؐ''
۱۳۶۷ھ

(۲) ۱۳۷۱ھ میں حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری کا انتقال ہوا۔ آپ نے قطعۂ تاریخ کہا:

مخزنِ علم و درایت از جہاں مستور شد
اقربا را دل ز دردِ فرقتش معمور شد
برودا عش قدسیاں گفتند باصاحب لاں
فی الحقیقت در حضور مصطفیٰ منظور شد

گوش کن اینک ضیا! از سالِ ترحیلش بخواں!
اینچنیں گفتارِ ہاتف ''عارفے مستور شد''

۱۳۷۱ھ

(مرسلہ جناب حکیم محمد موسی امرتسری از لاہور)

(۹۷۱) ضیابدایونی (۱)

یعقوب حسین ابن مولوی یاد حسین ساکن بدایوں (یو۔پی) آپ شب معراج ۱۳۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔آپ کی والدہ نے آپ کا نام ''صغیر'' (۱۳۰۰ھ) اورآپ کے والد مجازی مولوی علی احمد خاں امیر نقشبندی قادری (شہید مدینہؒ) نے ''محمد فضل الرحمٰن'' (۱۳۰۰ھ) رکھا۔

آپ کا خاندان حضرت مخدوم الاولیا عارفِ باللہ مخدوم عبداللہ چشتی سلیمانیؒ سے منسوب ہے آپ کی شاگردی سے مستفید ہوکر مخدوم عبدالقادر قادری المعروف ملاّ مورخ بدایونی ، بدایوں میں سکونت پذیر ہوئے۔انھیں کی نسبت سے ضیا، اپنے تخلص کے ساتھ ''القادری'' کا اضافہ کر کے ''ضیاء القادری'' لکھتے ہیں۔اوراسی نام ونسبت سے مشہور ہیں۔آپ کے اصل نام (یعقوب حسین،صغیر، یا محمد فضل رحمٰن) سے معدودے چندصاحبان واقف ہوں گے۔

آپ کی والدہ کا انتقال یکم محرم ۱۳۰۳ھ کو اور والد ماجد کا انتقال ۱۶شوال ۱۳۰۴ھ کو ہوا۔ حضرت اسیرؒ نے جوآپ کے حقیقی خالو تھے،آپ کی پرورش کی۔انھیں سے آپ نے تعلیم بھی حاصل کی۔ان کے علاوہ آپ نے مولوی عبدالرسول محبّ احمد قادری اور مولوی امتیاز احمد تاثیر بدایونی سے بھی پڑھا۔آپ مولوی شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدرالقادری بدایونی سے بیعت تھے۔

آپ کی شاعری کا آغاز دس سال کی عمر (تقریباً ۱۳۱۰ھ) سے ہوا۔چوں کہ آپ کے استاد اسیر،عربی و فارسی کے عالم تھے۔اور مشائخ میں شمار تھا۔اس لیے آپ کی شاعری کا رخ ان کے اثر اور فیض صحبت سے حمد،نعت اور منقبت کی طرف ہوگیا۔اس وقت (۱۳۸۰ھ میں، جب کہ آپ نے اپنے حالات راقم الحروف کوبہم پہنچائے۔)آپ کی شاعری کی عمر تقریباً ستّر سال ہوچکی۔اس دوران میں آپ نے لاکھوں اشعار حمد، نعت اور منقبت کے کہے۔ بیشتر حصہ وقتاً فوقتاً طبع بھی ہوتا رہا۔ اصناف مذکور کے سوا مجازی شاعری کی طرف آپ کی توجہ کبھی نہیں ہوئی۔ البتہ دورانِ شاعری میں

تاریخ گوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ چناں چہ بے شمار تاریخیں ہندوستان کے نامی اور مقتدر مشائخ، علما و فضلا کی وفات پر کہیں۔جن میں سے بہت سی تاریخیں مزارات پر بصورت کتبات نصب ہیں۔

آپ کی تصنیفات وتالیفات متعدد ہیں۔

نثر کی کتابیں: اکمل التاریخ (۱۳۱۳ھ)، تذکرۂ طیبہ (۱۳۱۵ھ)، دربارعرس شریف (۱۳۲۷ھ)، حیات صدیقؓ

نظم: دیوانِ منقبت موسوم بہ تاج مضامین (۱۳۴۵ھ)، تجلیات لغت (۱۳۶۴ھ)، جوارغوث الورا (۱۹۵۴ء)

ستارۂ چشت (۱۳۶۶ھ)، مرقعِ شہادت، چراغِ صبحِ جمال (۱۳۷۸ھ)، قصیدہ عروسِ جمال

شب حضوری (۱۳۲۶ھ)، ارمغانِ دل (۱۳۲۶ھ)، آ ثارِ بیخودی (۱۳۳۴ھ)

اپنی بیشتر کتابوں کے تاریخی نام آپ نے خود تجویز کیے۔

آپ کی منظوم تاریخوں کے نمونے ذیل میں درج ہیں۔

(۱) ۱۳۳۴ھ میں آپ کے مرشد مولوی شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدرالقادری بدایونی کی وفات ہوئی۔تو آپ نے کئی قصیدے اور قطعات لکھے۔جن کے آخری شعروں سے سال وفات بھی حاصل کیے۔ ہر قصیدے کا آخری شعر درج ذیل ہے۔ان قصاید وقطعات کا مجموعہ ''آ ثارِ بیخودی'' (۱۳۳۴ھ) ہے۔

(الف) پہلے قصیدے کا آخری شعر:

ہے ضیا! اس قادری نوشاہ کا سالِ وصال
''قطب کامل، مقتدائے اولیا،سردارِ دیں''

۱۳۳۴ھ

(ب) دوسرے قصیدے کا آخری تاریخی شعر یہ ہے:

سُنی ہاتف سے تاریخِ وصالِ مرشدِ برحق
''امام المسلمین ، شاہِ ولدیت، عالم وکامل''

۱۳۳۴ھ

(ج) ایک قطعہ کا آخری شعر یہ کہا:

سالِ وصال طایر سدرہ نے یہ کہا
''نوشاہِ چشت قبلۂ اسلام'' لکھ ضیا
۱۳۳۴ھ

(د) ایک اور قطعہ کہا۔ جس کا آخری شعر یہ ہے:

بے سروپا ہیں ضیا: دستِ اجل سے آج سب
علم و فضل و شرع و عدل و نیز ہم عقل و خرد
۲۰۰+۱۰۰ + ۴ + ۲۰۰ +۸۰۰+۳۰
۱۳۳۴ھ

(۲) ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء میں مولوی اسیر موصوف کا انتقال ہوا۔ مادۂ تاریخ کہا:

''سخنورِ اعظم''
۱۹۲۷ء

اسیر مرحوم کی وفات پر قطعات کا ایک مجموعہ تیار کر کے شائع کروایا تھا۔ جس کا تاریخی نام ''رودادِ فغاں'' رکھا تھا۔ مگر یہ مجموعہ انقلاب ۱۹۴۷ء میں ضائع ہو گیا۔
۱۳۴۶ھ

(۳) کراچی میں باحاطہ عیدگاہ میدان، بندر روڈ حضرت پیر عالم شاہ بخاریؒ کے مزار کے قریب پیر قاتل اجمیری کا بھی مزار ہے۔ جن کا انتقال ۱۳۷۰ھ میں ہوا تھا۔ ان کے مزار کے لیے تاریخ لکھی۔ جس کا آخری تاریخی مصرع یہ ہے۔

ضیا لکھ۔ ''حبیبِ خدا پیر قاتل''
۱۳۷۰ھ

(۴) ۱۳۷۹ھ میں مولوی عبدالقدیر قادری بدایونی کی وفات ہوئی۔ آپ نے کئی تاریخی مادّے نکالے۔

(الف) چراغ مبین بدایوں ۱۳۷۹ھ
(ب) پیشوائے معظم ۱۳۷۹ھ
(ج) شیخ معظم ۱۳۷۹ھ

(۵) ۱۳۸۰ھ میں شیخ مرید حسین قریشیؒ (سجادہ نشین درگاہ خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ) کا انتقال ہوا۔ آپ نے تاریخیں لکھیں۔ تین قطعات کے آخری مصرعے یہ ہیں:

(الف) شہید عشق سعیدِ جہاں مرید حسین
۱۳۸۰ھ

(ب) بگفت سال ''مرید حسین فخرِ حسن''
۱۳۸۰ھ

(ج) مخدوم مرید حسین قدسی القاب
۱۳۸۰ھ

(ماخوذ از خود نوشتہ حالات بہ ۱۹۶۱ء)

(۹۷۲) ضیا بدایونی (۲)

ضیا احمد ابن رفیع احمد عالی۔ وطن بدیواں۔ ولادت ۱۳۱۲ھ۔ آپ کے والد عالی بدایونی نے تاریخ ولادت لکھی۔ جو ان کے حالات میں شامل اوراقِ ہذا ہے۔ مادۂ تاریخ ہے ''عالی اختر''۔
۱۳۱۲ھ

آپ بدایوں کے ایک صدیقی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو علم و ادب میں مشہور تھا۔ آپ درس نظامیہ کی تکمیل کے بعد اسکول اور کالج میں تعلیم پائی۔ ایم۔اے الہ آباد یونی ورسٹی سے درجہ اول میں پاس کیا۔ وہیں دو سال ریسرچ کی۔ پھر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں ابتداً لیکچرار ہوئے، پھر وہیں ریڈر ہوئے۔ آخر میں پروفیسر اور صدر شعبۂ فارسی کی حیثیت سے رہے۔ ۳۳ سال کی ملازمت کے بعد ۱۹۵۹ء میں پنشن لے کر سبکدوشی حاصل کی۔ علی گڑھ میں آج کل (۱۹۶۴ء میں) مستقل قیام ہے۔

تصانیف میں متعدد کتابیں اور مضامین مطبوعہ ہیں۔ جن میں ''شرح دیوانِ مومن'' کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ صوبہ اور مرکز کی بعض کمیٹیوں کے رکن بھی رہے۔

آپ کو علم و ادب سے دلچسپی ہونے کے علاوہ تاریخ گوئی میں بھی مہارت ہے۔ آپ نے

اپنی کئی کتابوں کی تاریخ ہائے تصنیف بھی لکھیں یعنی ان کے نام تاریخی رکھے۔ مثلاً

باغِ دل افروز	باغِ رنگیں	واقعات مومن شیریں بیاں	روداد اہل بیت رسالت
۱۳۳۱ھ	۱۳۳۳ھ	۱۳۴۷ھ	۱۳۵۴ھ

آپ نے قطعات تاریخ بھی کہے۔ چند نمونے درج ہیں۔

(۱) ۱۲۶۸ھ میں مومن دہلوی کا انتقال ہوا۔ اگرچہ یہ واقعہ آپ کی ولادت (۱۳۱۲ھ) سے تقریباً چوالیس سال پہلے کا ہے۔ مگر آپ نے ان کی تاریخ وفات لکھی۔

''امام الشعرا مومنِ مبرور''

۱۲۶۸ھ

(۲) ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں مولوی ظہور الحسن کو ممبری ملی اور حریف کا خارجہ ہوا۔ تو تاریخ لکھی۔

کہا خرد نے یہ ''حاسد'' کا خارجہ سن کر

۷۳

''ظہورِ شاہد مقصد ہوا۔ مرادِ ملی''

۱۹۹۲

تخرجہ۔ ۷۳

۱۹۱۹ء

(۳) ۱۳۵۹ھ میں احسن مارہروی کا انتقال ہوا۔ تو کہا۔

''وصالِ شاعرِ شیریں کلام''

۱۳۵۹ھ

(۴) ۱۳۶۱ھ میں ایک صاحب کی کوٹھی کی تعمیر کی تاریخ کہی:

ہوئی تعمیر کیا دلخواہ کوٹھی
ضیا! تاریخ بھی ہو حسب مرضی
یہی تھی جستجو مجھ کو۔ کہ ناگاہ
خرد نے کہہ دیا۔ ''فردوس ارضی''

۱۳۶۱ھ

(۵) ۱۳۶۴ھ میں علی مقصود وکیل بدایوں، چیرمین ہوئے۔ آپ نے تاریخ لکھی:

دوبارہ عنایت سے علّن میاں کو
کیا اب چیرمین حق نے مقرر
ہوئی جب کہ شامل۔ ''عطائے الٰہی''

۱۳۶

مکرر کہا دل نے۔ ''قندِ مکرر''

۶۱۴

۶۱۴+

۱۳۶+ اعدادِ عطائے الٰہی

۱۳۶۴ھ

(۶) ۱۳۷۹ھ میں مولوی عبدالقدیر قادری عثمانی بدایونی کی وفات پر کہا۔

''انتقالِ عالمِ نیکو صفت''

۱۳۷۹ھ

(۷) ۱۳۸۱ھ میں آپ کی ایک عزیز ڈاکٹر زہرہ حسنین کی اچانک وفات ہوئی۔ آپ نے قطعہ تاریخ کہا۔

مری نوجواں زہرہ حسنین آہ
ملی اس کو جا عالمِ پاک میں
ضیا! میں نے یہ سالِ رحلت کہا
''وہ شمشاد قد'' مل گئی ''خاک'' میں

۷۶۰ + ۶۲۱

۱۳۸۱ھ

(۸) ۱۳۸۲ھ میں ڈاکٹر سید ہادی حسن کا علی گڑھ میں انتقال ہوا۔ مرحوم علی گڑھ یونی ورسٹی میں فارسی کے شعبہ کے صدر تھے۔ ضیا نے ان کی تاریخ وفات کہی۔ جو وہاں کے اخبار ''ہماری زبان''

مورخہ ۱۵جون ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا ہے۔ قطعۂ تاریخ یہ ہے:

فاضل شیر بیاں ہادی حسن
ناگہاں، دوش، از قضا خاموش شد
بود ذاتش شمعِ بزمِ اہلِ ذوق
حیف از باد فنا خاموش شد
گفتمش سال از سرِ حزن و الم
۸ ۱
''طوطی گویائے ما خاموش شد''

۱۳۷۳
+ ۸
+ ۱
۱۳۸۲ھ

(مرسلہ جناب ضیا بتوسط جناب شاغل عثمانی)

(۹۷۳) ضیا جے پوری

ضیا حسین ابن مولوی سید فدا حسین ساکن جے پور۔ وہیں ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے بزرگوں سے تعلیم حاصل کی۔ منشی فاضل (پنجاب) پاس کیا۔ سرکاری مدارس جے پور میں اردو و فارسی کے مدرس رہے۔ منکسرالمزاج بے حد مودّب اور بااخلاق تھے۔ مرزا مایل دہلوی جے پوری سے تلمذ تھا۔ ۱۳۵۴ھ (۱۹۳۵ء) میں بمقام جے پور انتقال ہوا۔

جناب شاد جے پوری نے قطعۂ تاریخ وفات کہا۔ جس کے ہر مصرع سے آپ کا سال وفات حاصل ہوتا ہے:

بد چوکانِ فضل مولانا ضیا
۱۹۳۵ء
شد بز نیست ماہِ دربارِ حسین
۱۳۵۴ھ

من نوشتم شاد! بہرِ سالِ موت
۱۹۳۵ء
دُرِ جنت شد زانو انوارِ حسین
۱۳۵۴ھ

(مجموعہ تواریخ)

آپ کو شعروسخن کا کافی شوق تھا۔ شعر اچھا کہتے تھے۔ تاریخ گوئی سے بھی دلچسپی تھی۔ متعدد تاریخیں کہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

(۱) ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں ٹھاکر یونت سنگھ جاگیردار قصبہ منڈوتہ (ریاست جے پور) کے گھر میں فرزند تولد ہوا۔ تو آپ نے یہ قطعہ تاریخ کہا:

ٹھاکراں یونت سنگھ معدن لطف و کرم
مخزن جود و سخا، مصدر فیض اتم
غنچۂ امید کیوں آج شگفتہ نہ ہو
تم کو خدا نے دیا پورِ مبارک قدم
کلکِ صبا نے لکھا اس کی ولادت کا سال
''اخترِ برجِ عطا صاحب سیف و قلم''
۱۹۱۳ء

(۲) ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء میں ''سرِمعرفت'' تالیف منشی کنھیا لال سرور جے پوری کی تاریخ کہی:

''کاشفِ سرِ نہاں عاقبت''
۱۳۴۰ھ

(۳) ۱۹۲۴ء (۱۳۴۲ھ ۔ سمبت ۱۹۸۰ بکرمی) میں مہاراجہ سنگھ والئی جے پوری کی شادی مہاراجا جودھپور کی لڑکی سے ہوئی۔ تو طویل قصیدے میں حسبِ ذیل تاریخ لکھی۔ جس سے سمبت ۱۹۸۰ بکرمی حاصل ہوتا ہے:

''بہارِ عمر ہے یہ خسروِ جے پور کی شادی''
۱۹۸۰ (بکرمی)

(۴) ۱۹۲۶ء/۱۳۴۳ھ میں منشی جے نراین۔ بی۔اے۔ جے پوری نے ایک خوشنما مکان ''ایوان نما'' تعمیر کروایا۔ ضیا نے تاریخ لکھی:

''نگار خانۂ ارژنگ فی المثل یہ ہے''

۱۹۲۶ء

(۵) ۱۹۲۶ء/۱۳۴۴ھ میں منشی اکرام الدین سررشتہ دار عدالت دیوانی جے پور کی وفات پر دو تاریخیں کہیں:

(الف)

راہیٔ جنت وہاب شد اکرام الدین

۱۳۴۴ھ

(ب)

داخل جنت ہوا مسکیں نواز

۱۳۴۴ھ

(۶) سنہ مذکور ہی میں سید محمد علی ابن سید احمد علی کی بسم اللہ ہوئی تو کہا:

ضیا! یہ مصرع فرخ ملا ہے تاریخی
''سعید و فخرِ زمن کی ہے آج بسم اللہ''

۱۳۴۴ھ

(۷) ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء میں مہاراجہ سوائی مان سنگھ والیٔ جے پور انگلستان سے زمانۂ تعلیم پورا کر کے واپس جے پور آئے۔ تو قطعۂ تاریخ آپ نے بھی لکھا۔ آخری شعر ہے:

عیسوی سنہ میں ضیا! تاریخ لکھ
''آ گیا راحت رساں فخرِ زماں''

۱۹۳۰ء

ایک اور قطعہ لکھا۔ جس کا آخری مصرع ہے:

''فخر زماں باب جود آ گیا جے پور میں''

۱۳۴۹ھ

(۸) ۱۳۴۹ھ (سمبت ۱۹۸۸ء بکرمی میں مہاراجہ مان سنگھ کو فرزند (مہاراج کنور) عطا ہوا تو یہ تاریخ لکھی:

''ذی شان گل رعنا یہ مہاراج کنور ہے''

۱۹۸۸ (بکرمی)

(۹) ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء مذکور ہی میں مہاراج مان سنگھ کو حکومت برطانیہ نے اختیارات دیے اور ان کی تخت نشینی ہوئی — تو ضیا نے تاریخ لکھی:

ہو مبارک سری حضور کو تاج

۱۹۸۸(ب)

ہو گیا کج کلاہ تخت نشیں

۱۹۳۱ء

(۱۰) ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء میں مرزا مایل دہلوی جے پوری کے انتقال کی تاریخ لکھی۔ جو ''شاہد غم'' میں طبع ہوئی:

چل بسے حیف مایل خوش گو
ہو گئی محفلِ سخن ویراں
لکھ ضیا! تو یہ ان کا سالِ وفات
''چھپ گیا آفتابِ شستہ زباں''

۱۳۵۰ھ

(شاہدِ غم، ص ۴۵)

(۹۷۴) ضیا تیموری دہلوی

مرزا منیر الدین ابن ... اصل وطن دہلی تھا۔ مگر سکونت حیدرآباد دکن، خاندان تیموریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے ''ضیا تیموری'' مشہور تھے۔ شعروسخن سے دلچسپی تھی۔ تاریخ گوئی میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے۔

۱۲۴۴ھ حبیب اللہ نامی کسی صاحب کی شادی ہوئی۔ تو آپ نے صنعتِ تضاعف میں (یا صنعتِ تضارب میں) حسب ذیل قطعۂ تاریخ لکھا:

مبارک ہو دلھن کی رونمائی
حبیب اللہ مسرت سے ہیں مخمور
ضیا نے عرض کی جلوے کی تاریخ
مضاعف ہو گیا۔ ''نور علی نور''

۶۲۲
۶۲۲+
۱۲۴۴ھ

(غرایب الجمل)

(۲) ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں ''تاجِ سخن'' (دیوانِ قبیل مانکپوری) طبع ہوا۔ تو قطعاتِ تاریخ لکھے۔ مختصراً دو ایک اشعار درج ہیں۔

(الف)

طبع شد نظمِ آں جلیل حسن
کہ ورا نیست در زمانہ عدیل
کلکِ من سالِ او نوشت ضیا!
''ہمہ تاجِ سخن کلامِ جلیل''

۱۳۲۸ھ

(ب)

تم یہ کہہ دو اس کی تاریخ اے ضیا!
''شاعر شیریں زباں کا ہے کلام''

۱۳۲۸ھ

(تاجِ سخن)

(۳) اسی سال میں میر محمد علی مضطر دہلوی کا دیوان (درِ تاجِ سخن) طبع ہوا تو یہ قطعہ لکھا:

کلامِ میر محمد علی مضطر کا
دلوں پہ کندہ رہے گا یہ نقش زیور طبع
ضیا! بہ تعمیہ بے نقص لکھ دو مصرعِ سال
۲۴۰
''ہے روحِ مضطر کاملِ کمالِ گوہر طبع''

۱۵۶۸
اعداد ''نقص'' کا تخرجہ ۲۴۰
۱۳۲۸ھ

(درِ تاجِ سخن)

(۹۷۵) ظاہر

رام پرشاد۔ مولف کان تاریخ۔ تلمذ مرزا قادر بخش صابر آپ نے یہ کتاب ۱۲۸۲ھ میں تالیف کی۔ جس کے خاتمے پر تاریخ بھی لکھی۔ اس میں ایک ہی مصرع سے دو سنہ حاصل کیے ہیں۔ ایک سنہ حروف منقوطہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور دوسرا سنہ حروف غیر منقوطہ سے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو تاریخ گوئی میں کافی مہارت تھی۔ ورنہ یہ صنعت بہت مشکل ہے۔ گنتی کے چند تاریخ گو شعرا نے اس صنعت میں تاریخیں لکھیں۔ جن میں جویا مراد آبادی متوفی ۱۳۰۰ھ اور عشرت جلالی موجودۂ کراچی (اس وقت ۱۹۶۴ء تک کراچی میں ہیں۔ بعد کے لیے نہیں کہا جاسکتا کہ کسی دوسرے مقام پر منتقل ہو جائیں۔)

ظاہر کا مرتب کردہ مصرع یہ ہے اور کوئی تاریخ نہیں مل سکی۔

''اگر فضل و رحمت سراسر ہو ہم پر''

(حروف منقوطہ سے ۱۲۸۲ھ) (غیر منقوطہ سے بھی ۱۲۸۲ھ)

(گلبنِ تاریخ، ص ۱۶)

(۲) ۱۳۲۶ھ میں خمخانۂ جاوید جلد اول (مرتبۂ لال سریرام ایم۔اے) طبع ہوئی۔ آپ نے دو تاریخیں لکھیں۔ ہر ایک کا ایک شعر ہے۔

(الف)

سالِ او گفتم بصوری معنوی
''سیز دہ صد بست و شش زیب جہاں''
۱۳۲۶ھ

(ب)

لکھی میں نے تاریخ یہ برملا
''مصفا سے گلدستۂ شاعری''
۱۳۲۶ھ

(خمخانۂ جاوید، جلد(۱) تقاریظ،ص۷۲)

(۹۷۶)ظہور پھلواروی

محمد ظہورالحق ابن شاہ نورالحق تپاں پھلواروی۔ وطن پھلواری شریف۔ (بھارت) ۱۱۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔ حافظ قرآں حکیم اور حافظ صحیحین (کتب احادیث) قالم متبحر اور صوفی پاکباز تھے۔ ''غوث الدہر'' کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ مختلف علوم وفنون پر کافی رسالے اور کتابیں آپ کی تصنیفات ہیں۔ طبیعت موزوں پائی تھی۔ شعروسخن بھی مشغلہ تھا۔ اصلاحِ سخن اپنے والد (تپاں پھلواری) سے لیتے تھے۔ مگر دوسرے مشاغل علمی کی وجہ سے اس طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ پھر بھی اردو اور فارسی کا کلام کافی موجود ہے۔

۱۲۳۳ھ میں آپ کے والد کا انتقال ہوگیا۔ تو آپ ان کی جگہ سجادۂ عمادیہ قلندریہ پر متمکن ہوئے۔ مگر چند ماہ بعد ہی ۱۲۳۴ھ میں آپ کا بھی انتقال ہوگیا۔ تمام عمر درس وتدریس میں مشغول رہے۔

آپ کو تاریخ گوئی کا بھی ملکہ تھا۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں تاریخیں کہیں۔ نمونے درجِ ذیل ہیں۔

(۱) ۱۲۱۱ھ میں میر سید ابراہیم عظیم آبادی نے مسجد کی بنیاد رکھوائی۔ (اسی مسجد کے قریب آپ کی خانقاہ

ہے۔) ظہور نے اس کی تاریخ کہی۔ جس کا آخری مصرع یہ ہے:

لِلناس مشابة وامَن
۱۲۱۱ھ

دوسری تاریخ بھی عربی ہی میں کہی۔ مگر اس پر مصرعے فارسی میں ختم کیے۔ اس کا آخری شعر یہ ہے۔ اس میں سرِ ابلیس کے اشارے سے ایک عدد کا تخرجہ کیا ہے:

سرِ ابلیس را برید و بگفت
۱
''اِنّ ذاک مقامِ ابراہیم''
۱۲۱۲
تخرجہ ۱
۱۲۱۱ھ

۱۲۳۳ھ میں آپ کے والد (شاہ ظہورالحق تپاں پھلواروی) کا انتقال ہوا۔ تو تین تاریخیں کہیں۔ جن کے صرف آخری اشعار درج ہیں۔

(الف)

قلت تاریخ وفات لہ
''ضاعف اللہ بہ اجرہ''
۱۲۳۳ھ

(ب)

سالِ تاریخ از سرِ ایقاں
ہاتفے گفت ''ذاتِ حق دیدہ''
۱۲۳۲
+ ۱
۱۲۳۳ھ

(ج)

قُلتُ کیف وفاتہ و متی
قال ''دام لہ حضور الحق''
۱۲۳۳ھ

(از ماہنامۂ المجیب ماہ جون ۱۹۶۲ء)

(۹۷۷)ظہور دہلوی

مولوی محمد ظہور علی ابن مولوی محمد فتح علی خاں۔ باشندۂ قصبہ ہریانہ ضلع دہلی۔ ۱۹؍رجب ۱۲۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۸شعبان ۱۲۸۶ھ میں وفات پائی۔ صاحب علم وفضل تھے۔شعروسخن سے کافی دلچسپی تھی۔ پہلے شاہ نصیر سے پھر مومن دہلوی سے اور پھر ذوق دہلوی سے اصلاح لی۔ مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی کو بھی غزل دکھاتے تھے۔ آزردہ کو آپ سے بے حد محبت تھی۔ آپ بھی استاد کو شفیق باپ کی طرح معزز ومحترم سمجھتے تھے۔ مثنوی پر حافظ عبدالرحمٰن احسان سے مشورہ لیا۔ بادشاہ ظفر نے آپ کو ''شمس الشعرا'' کا خطاب دیا تھا۔

آپ کا دیوان ۱۳۰۰ھ میں میرٹھ میں شائع ہو چکا ہے۔تاریخ گوئی سے بھی لگاؤ تھا۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) ۱۲۸۳ میں مثنوی ''گلدستۂ مسرت'' مصنفہ منشی عطا علی خاک، مطبع نظامی کان پور میں طبع ہوئی۔ظہور نے یہ قطعۂ تاریخ لکھا۔

دیکھی جو مثنوی یہ ہم نے ظہور! جس دم
بے شبہ اس کو پایا گلدستۂ مسرت
آئی یہ اپنے جی میں تاریخ اس کی لکھئے
دل نے کہا ''بنایا گلدستۂ مسرت''
۱۲۸۳ھ

(عطیہ جناب اشرف ہاشمی لکھنوی، کراچی)

(۲) ۱۲۸۵ھ میں آپ کے شفیق ومحترم استاد (آزردہ دہلوی) کی وفات ہوئی۔تو یہ قطعہ کہا:

چہ مولانائے صدرالدین کہ در عصر
ایامِ اعظمِ آخر زماں بود
زہے صدر الصدور نیک محضر
بعدل و داد چوں نوشیرواں بود
برفدِ پنجشنبہ کرد رحلت
کہ ایں عالم نہ جائے جاوداں بود

ربیع الاول د بست و چہارم
وداعِ او سوئے دارالجناں بود
ظہور! افسوس آں استاد ذی قدر
پدر وارم ہمیشہ مہرباں بود
''چراغ'' اش ہست تاریخِ ولادت
۱۲۰۴
کنوں گفتم ''چراغِ دو جہاں بود''
۱۲۸۵ھ

(عطیہ: جناب انعام عظیم برنی، کراچی)
{مرسلہ: حکیم اکرام حسین صاحب سیکری
ماخوذ از تذکرۂ علمائے ہند}

(۹۷۸)ظہور

سید ظہور حسن۔ (غالبًا) ظہور ہی تخلص کرتے تھے۔مولوی ولایت علی صاحب (مصنف کتاب ''گلزارِ ولایت'' جو ۱۲۵۹ھ میں لکھی گئی اور نظامی پریس کان پور بہ ۱۲۸۹ھ۔ میں طبع ہوئی) کے دختر زادے تھے۔شعروسخن اور تاریخ گوئی سے دلچسپی تھی نمونہ حسبِ ذیل ہے۔

متذکرۂ بالا کتاب (گلزار ولایت) کے مصنف مولوی ولایت علی کی وفات ۱۲۸۲ھ میں ہوئی تو ظہور نے یہ قطعہ لکھا۔جو کتاب مذکور کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل ہے:

ولایت علی سید باوقار
چو بگذاشت ایں دار نا پائدار
رنج و غم آں وحید زماں
شدہ سینۂ اہلِ صحبت فگار
پئے سالِ تاریخ رفتم بفکر
کہ باشد زمن در جہاں یادگار

ز ہاتف بگوشم رسید ایں ندا
بجو سالِ تاریخ از ''افتخار''
۱۲۸۲ھ

(گلزار ولایت)

(اشاریہ) اس قسم کی تاریخ اصول تاریخ گوئی کے لحاظ سے تقریباً نامکمل ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس سے اصل واقعۂ وفات کا پتہ نہیں چلتا۔ مادۂ تاریخ کو ابجدی اعداد کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اصل واقعہ کا مظہر بھی ہونا چاہیے۔ یہ بات اس مادۂ تاریخ میں نہ لفظاً ہے۔ نہ معناً۔ مہر

(۹۷۹) ظہیر بلگرامی

منشی ظہیرالدین ابن منشی مسعود۔ متوطن قصبۂ بلگرام۔ شعراور تاریخ گوئی سے دلچسپی تھی۔

۱۲۷۲ھ (۱۸۵۵ء) میں مولوی امیر علی امیٹھوی، بمقام ہنومان گڑھی (اجودھیا، بھارت) کفار سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ تو آپ نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ لکھا:

بتاریخِ شہیدانِ کفن پوش
چہ حاجت، تا سنہ اش برنگارم
کہ خود فرمود آں میرِ شہیداں
''سرِ میداں کفن بردوش دارم''
۱۲۷۲ھ

(مرسلہ حکیم سید اکرام حسین سیکری از حیدرآباد، پاک)

روزنامہ ''انجام'' کراچی مورخہ ۸/نومبر ۱۹۶۲ء میں محمد ایوب صاحب قادری ایم۔اے نے ''جہاد ہنومان گڑھی (اجودھیا) ۱۸۵۵ء'' کے عنوان سے مضمون لکھا۔ جو ''قیصر التواریخ''، ''افضل التواریخ'' اور ''گلزار ہند'' سے ماخوذ ہے۔ اس میں لکھا ہے۔

جہاں اجودھیا ۲۶ صفر ۱۲۷۲ھ مطابق ۷/نومبر ۱۸۵۵ء کو ہوا۔ اس میں مولوی امیر علی ہنود کے ہاتھوں سر میدان قتل ہو گئے۔ کسی نے تاریخ کہی جس میں

''ہمت'' کی ہائے ہنوز کے ۵ عدد کا تعمیہ (تدخلہ) ہے۔

گفت ازروئے ہمت ازلی
۵
''قتل شد مولوی امیر علی''
۱۲۶۷
تدخلہ+ ۵
۱۲۷۲ھ

کہا جاتا ہے، کہ مولوی امیر علی اپنی شہادت سے پہلے یہ پڑھتے تھے۔

''سرِ میداں کفن بردوش دارم''

شہادت کے بعد حساب کیا۔ تو اسی مصرع سے تاریخ شہادت نکل آئی۔ کسی نے اس مصرع پر مصرعے لگا کر قطعۂ مردف کہہ دیا۔

بذکرِ حق سراپا گوش دارم
مے حب علیؑ در جوش دارم
شنو تاریخ من قبل شہادت
''سر میداں کفن بردوش دارم''
۱۳۷۲ھ

(انجام، کراچی)

(اشاریہ) اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مندرجۂ بالا مصرع پر دراصل پہلے کسی نے مصرعے ضم کیے۔ آیا ظہیر بلگرامی نے یا کسی دوسرے صاحب نے۔ مہر

(۹۸۰) ظہیر دہلوی

سید ظہیرالدین حسین عرف نواب مرزا، ابن میر جلال الدین خوشنویس۔ وطن دہلی، تلمیذ شیخ محمد ابراہیم ذوق، آپ محمد بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کے استاد تھے۔

(سخنِ شعرا، ص۳۱۲)

آپ دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم حاصل کی۔ اور گیارہ سال کی عمر میں داروغہ ناہی مراتب کے عہدے پر ملازم شاہی ہوئے۔

بچپن سے ذوق سخن تھا۔ ذوق دہلوی سے تلمذ رہا۔ ان کے بعد خود ہی اپنے کلام کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ غدر سے پہلے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔ غدر کے بعد ترکِ وطن کر کے اپنے والد کے ساتھ معہ اپنے چھوٹے بھائی (امراؤ مرزا انور) رام پور چلے گئے۔ پھر واپس دہلی چلے گئے۔ اور وہاں سے بلند شہر جا کر ''جلوہ طور'' اخبار کی ادارت کی۔ پھر دہلی اور الور (ریاست میں کچھ دن گزارے۔ چندروز بعد معہ اپنے بھائی کے جے پور (ریاست) منتقل ہو گئے۔ جے پور میں آپ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے عہدے پر مامور ہوئے۔ اور آپ کے صاحبزادے کو سب انسپکٹر پولیس کر دیا گیا۔ مہاراجہ سوائی رام سنگھ والئی جے پور کے انتقال کے بعد ظہیر نے ملازمت ترک کر دی۔ تو صاحبزادۂ احمد علی خاں رونق ٹونکی جے پوری نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور آپ سے اصلاح سخن لیتے رہے۔ رونق صاحب کے انتقال کے بعد آپ جے پور سے حیدرآباد دکن چلے گئے۔ اور وہاں مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب شاد کی سرکار سے وابستہ ہو گئے۔

(تذکرۂ شعرائے جے پور، ص۳۱۳،۳۱۴)

صفحہ ۴۹ قاموش المشاہیر جلد دوم مولفۂ نظامی بدایونی پر آپ کی وفات ۱۷ ربیع الاوّل ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) کو بمقام حیدرآباد دکن لکھی۔ اور وہیں دائرۂ میر میں آپ کا مزار بنایا ہے۔

مگر ''سرودِ رفتہ'' مرتبہ غلام رسول مہر صادق علی دلاوری میں ص ۲۱۰ پر لکھا ہے کہ علامہ اقبالؒ نے ظہیر دہلوی کی وفات پر یہ تاریخ لکھی۔ ظہیر کی وفات ۱۹ مارچ ۱۹۱۱ء (۱۳۲۹ھ) کو ہوئی:

''زبدۂ عالم ظہیر دہلوی''

۱۳۲۹ھ

(سرودِ رفتہ، ص۲۱۰)

ظہیر کو تاریخ گوئی کی بھی مہارت تھی۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) ۱۳۰۷ھ (۱۸۸۹ء) میں احمد علی خاں رونق مذکور الصدور کا دیوان (دیوان رونق ''رونق سخن'' طبع ہوا۔ تو ظہیر نے تاریخی قطعہ لکھا:

کلامِ حضرت نواب ذی جاہ
سخن کی جان ہے، شانِ فصاحت
ظہیر! اس گلکدے کی ہے یہ تاریخ
''نمایاں ہے گلستاں فصاحت''

۱۳۰۷ھ

(رونقِ سخن)

(۲) ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) میں مولوی سید سراج الدین قادری معروف بہ ''سراج بادشاہ''
متخلص بہ سراج، سجادہ نشین ریاست اکلکوٹ ضلع شولاپور (بھارت) کا دیوان ''گلشن سراج'' (جس کا سرورق مطبع نظام المطابع میں چھپا)، طبع ہوا۔ اس کی تاریخ ظہیر نے لکھی۔ کئی اشعار کے قطعے میں سے دو شعر درج ہیں۔

شکرِ خدا چھپا ہے وہ دیوان بے مثال
تھی جس کی طالبان حقیقت کو احتیاج
ہر سو ظہیر! بلبل بے دل کی ہے صدا
''معشوق دلنواز ہے کیا گلشنِ سراج''

۱۳۲۲ھ

(گلشنِ سراج، ص۱۲۱)

(۳) ۱۳۲۶ھ میں خمخانہ جاوید جلد اول (مرتبۂ لالہ سریرام ایم۔اے) طبع ہوئی۔ آپ نے قطعات تاریخ لکھے۔ ایک قطعہ کے آخری دو شعر یہ ہیں:

ظہیر اس گلکدے کا سالِ تاریخ
اب دلچسپ غایت مختصر سے
سر اعجاز سے نکلی ہے تاریخ
ا
''نہیں یہ تذکرہ بحر گہر ہے''

۱۳۲۵
+ ۱

۱۳۲۶ھ

(خمخانۂ جاوید، ج۔۱، تقاریظ، ص۷)

(الف)

کلامِ فصیح و بلیغِ جلیل
شرابِ سخن ہے بجامِ ملک
یہ کہنا روا ہے بلا پائے "ریب"
۲
"کہ تاجِ سخن ہے کلامِ ملک"
۱۳۳۰
تخرجہ - ۲
۱۳۲۸ھ

(اشاریہ) (الف) اس قطعے کے آخری مصرع میں لفظ "کہ" کے حرف (۲۰) عدد بھی شمار کیے گئے ہیں۔

(ب) عام اصول کے مطابق کاف بیانیہ (کہ) کے بعد کی عبارت یا جملہ قایل کا بیان سمجھا جاتا ہے۔ یہاں سیاق وسباق کے ماتحت کاف بیانیہ کو اصل بیان یعنی مادۂ تاریخ سے علیحدہ ہی رکھنا چاہیے تھا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کو تکمیل اعداد کے لیے شامل مادۂ تاریخ کرلیا۔ جو خلاف قاعدہ ہے یہ ترکیب ضعفِ تالیف کی تعریف میں آتی ہے۔ جو ظہیر دہلوی جیسے بلند پایہ شاعر کے کلام میں نہیں ہوتی چاہیے تھی۔ اگر آپ کو ذرا بھی اس کا احساس ہو جاتا۔ تو (ک) کے بیس عدد کی کمی "ملک" کے (۹۰) اعداد کے بجائے (۱۱۰) اعداد والا لفظ "صبیح" استعمال کر کے (۱۳۳۰) پورے کر لیتے۔ اور مصرع اس طرح ہو جاتا۔ جس میں کاف بیانیہ الگ اور جملہ بیانیہ الگ ہے:

"تاجِ سخن ہے کلامِ صبیح"
۱۳۳۰ھ

اس طرح کر لینے کے بعد ردیف قافیہ کو مناسب الفاظ میں تبدیل کر کے قطعہ بنا لینا کچھ دشوار نہ تھا۔ مگر افسوس کہ جناب ظہیر کو اس کمزوری کا احساس ہی نہیں ہوا۔ مہر

(ب) ایک قطعہ کا آخری شعر یہ ہے:

فکرِ سالِ طبع دیواں تھی مجھے بے حد ظہیر!
کہہ دیا پیرِ خرد نے "جوہر تاجِ سخن"
۱۳۲۸ھ

(ج) ایک قطعہ میں ۱۳۱۹ فصلی الٰہی حاصل کیا ہے:

پئے سالِ تاریخ ازراہ لطف
مرے پاس آیا پیامِ جلیل
لکھو سالِ تاریخ فصلی — ظہیر!
"ہے تاجِ سخن گو کلامِ جلیل"
۱۳۱۹ (فصلی الٰہی)

(۴) ۱۳۲۸ھ ہی میں درِ تاجِ سخن (دیوانِ مضطر دہلوی) طبع ہوا۔ آپ نے تاریخ لکھی:

بحمد اللہ ہوا مطبوعِ مطبع
ریاضِ بے خزاں بستانِ مضطر
ظہیر! اس گلکدے کی ہے یہ تاریخ
"قبولِ اہل دل دیوانِ مضطر"
۱۳۲۸ھ

(درِ تاجِ سخن)

(اشاریہ) اس قطعے میں تیسرا مصرعہ بجنسہٖ وہی ہے۔ جو آپ نے اس سے اکیس سال قبل دیوانِ رونق (رونقِ سخن) کی طباعت کے قطعہ میں نظم کیا تھا۔ مہر

(۹۸۱) ظہیر لکھنوی

قاضی محمد ظہیر الدین۔ ساکن لکھنؤ۔ تلمیذ امیر مینائی لکھنوی۔ (شعرگوئی میں ماہر اور تاریخ گوئی پر قادر تھے۔ جیسا کہ قطعاتِ ذیل سے ظاہر ہے۔ مہر) تاریخ کے نمونے درج ذیل ہیں۔

(۱) ۱۳۲۷ھ میں "تاجِ سخن" (دیوانِ جلیل مانکپوری) کی تکمیل و ترتیب ہوئی۔ آپ نے حسبِ تاریخ ترتیب کا یہ قطعہ لکھا:

ثنا کیا ہو تاجِ سخن کی ظہیر!
یہ سارا ہے فیض جناب امیر

لکھو تم یہ تاریخ ترتیب کی
''یہ دیوان ہے آپ اپنی نظیر''

۱۳۲۷ھ

(۲) ۱۳۲۸ھ میں دیوانِ مذکور طبع ہوا۔ آپ نے تاریخیں لکھیں۔

(الف) ایک قطعے کے آخری دوشعر:

پئے سالِ مسیحی فکر چو کردم ندا آمد
''چو مہ مطبوع، دیوانِ جلیلِ نیک اختر شد''

۱۹۱۰ء

ہم از بہرِ سنہ ہجری ظہیر! ایں مصرعے بر خواں
''بوئے گلشنِ دیواں نسیمِ جاں معطّر شد''

۱۳۲۸ھ

(ب) دوسرے قطعہ کے دوشعر:

اے خوشا! رنگینیِ فکرِ جمیل
صفحہ صفحہ وکشِ گلشن شدہ
نور افشان است تاریخِ ظہیر
''شمع جانِ شاعری روشن شدہ''

۱۹۱۰ء

(ج)

دیکھنا! کسی شاعر شیوا بیاں کا ہے کلام
سب سے افضل سب سے برتر سب سے اعلیٰ ہے کلام
ہے اسی کے واسطے موزوں یہ تاریخ اے ظہیر!
''صاف ہے کتنی زباں، کتنا یہ اچھا ہے کلام''

۱۳۲۸ھ

(تاجِ سخن)

(۹۸۲) ظلوم بہاری

سید شاہ امیر الدین فردوسی (ابن شاہ ولی اللہ فردوسی۔ سجادہ نشین خانقاہ مخدوم الملک شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ منیر شریف) فارسی میں ظلوم اور اردو میں وجد تخلص کرتے تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد خود سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت شاہ حسین علی شطاری منیریؒ سے بیعت تھے۔ فارسی کا دیوان طبع ہو چکا ہے۔ اردو کا دیوان مکمل ہے۔

تاریخ گوئی سے بھی دلچسپی تھی۔ نمونہ حسبِ ذیل ہے۔

۱۲۴۸ھ میں سید شاہ محمد بخش چشتی (ابن شاہ احسان اللہ چشتی نظامی سجادہ نشین خانقاہ حضرت مخدوم فریدالدین طویلہ بخش چشتیؒ منیر شریف) کی وفات پر قطعہ تاریخ کہا:

(۹۸۳) ظفر جے پوری

ظفر حسین ابن سید عبدالغنی، مگر مولوی ضیا حسین ضیا جے پوری کے چچازاد بھائی تھے اور ان کے متبنیٰ بھی۔ اس لیے ظفر اپنی ولدیت ضیا حسین ہی لکھتے تھے۔ انھیں سے تلمذ تھا۔ ۱۳۰۸ھ میں بمقام جے پور پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم حاصل کر کے مدرس ہو گئے۔ وہیں سے پنشن لی۔ اور وہیں اس وقت ۱۹۶۴ء تک مقیم ہیں۔ طبعاً نہایت خلق اور مرنجان مرنج و منکسر المزاج ہیں۔ خوش نویس اور خوش فکر ہیں۔ تاریخ بھی کہتے ہیں۔ چناں چہ تلفظ تاریخیں درج ہیں۔ جو آپ نے اپنے قلم سے لکھ کر بتوسط جناب شاغل عثمانی مجھے جے پور سے بھیجی ہیں۔

(۱) ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۵ء میں آپ کے والد (ضیا جے پوری) کی وفات پر یہ دونوں قطعے کہے۔ ضیا فدا حسین فدا جے پوری کے فرزند تھے:

یہ مانا غیب کا ہوا حادثہ
ظفر! اسی طرح تو نہ خاموش رہ
پئے سالِ تاریخ مرحوم تو
''ہوا گل چراغِ فدا آج بھی کہہ''

۱۳۵۵ھ

(۲)

جہاں سے چلے کیا ضیائے حسین
مقصد مرا اے ظفر! سو گیا
نہ کیوں ان کا یہ سالِ رحلت لکھوں
''چراغِ امید آج گل ہو گیا''

۱۳۵۵ھ

(۳) ۱۲۷۹ھ میں آپ کی والدہ کا انتقال ہوا۔تو تاریخ کہی:

''نیک عمل داخلِ جنت ہوئیں''

۱۲۷۹ھ

(مرسلہ جناب شاغل از جے پوری)

شاہِ اقلیم فقرو درویشی
راند چوں سوئے دارِ جنت رخش
سالِ تاریخ گفت ہاتفِ غیب
''وائے واصل بحق محمد بخش''

۱۲۴۸ھ

(مرسلہ جناب مراداللہ منیری از بھارت)

(۹۸۴) ظفر دہلوی

سراج الدین محمد بہادر شاہ لقب بہ مرزا ابوالظفر ابن اکبر شاہ ثانی سکونت دہلی۔ ولادت:
آپ کی ولادت تاریخ ادب اردو میں صفحہ ۲۰۸ پر ۱۷۷۵ء (۲۶ شعبان ۱۱۷۳ھ) لکھی ہے۔مگر ڈاکٹر راس مسعود نے ۲۴/اکتوبر ۱۷۷۵ء مطابق ۸ شعبان ۱۱۸۹ھ بتائی ہے اور تاریخ وفات ۷/نومبر ۱۸۸۲ھ مطابق ۱۲۷۹ھ۔

آپ اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۸۴۷ء میں تخت نشین ہوئے۔ خاندان مغلیہ (ہند) کے

آخری تاجدار تھے۔ اور غدر ۱۸۷۵ء میں معزول کیے جا کر برما (رنگون) بھیج دیے گئے۔ جہاں ۱۸۸۲ء میں انتقال کیا۔ (تاریخ وفات کے متعلق بھی تاریخ ادب اردو میں اختلاف ہے۔جس کو راقم الحروف نے اپنے ذیلی اشاریہ میں واضح کیا ہے۔مہر)۔

شاعری کے بڑے دلدادہ تھے۔ استاد ذوق اور مرزا غالب کو کلام دکھاتے تھے۔ اکثر اپنے ہاتھوں کے لکھے ہوئے قرآن دلّی کی بڑی بڑی مسجدوں میں بطور ہدیہ بھیجتے۔تاریخ گوئی سے بھی ذوق تھا۔ اپنے والد کی وفات پر تاریخ کہی جس کا ایک شعر آگے درج کیا جاتا ہے۔ مصرعِ تاریخ پورا کا پورا نہایت صاف ہے۔جس سے تاریخ گوئی کا ملکہ پایا جاتا ہے۔ (تاریخ ادب اردو تیسرا ایڈیشن)

آپ کو غدر ۱۸۵۷ء کے بعد قید فرنگ میں بمقام رنگون رکھا گیا۔اور وہیں بحالت نظر بندی وفات پائی۔اور وہیں دفن ہیں۔لوحِ مزار پر حسبِ ذیل قطعہ تاریخ لکھا ہوا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ کس کا لکھا ہوا ہے:

چودہ جمادی الاولیں جمعہ کا روز وقتِ عصر
حالتِ قید و بیکسی تھی یہ گھڑی بہت کٹھن
موت نے شاہِ ہند سے عرض کیا وطن سے دور
خلد ہے آپ کا وطن اے ''ظفرِ جلا وطن''

۱۲۷۹ھ

(روزنامہ ''انجام''، کراچی ۸/نومبر ۱۹۶۲ء جس کے صفحہ ۲ پر آپ کی لوحِ مزار کا عکس بھی شائع ہوا)

(اشاریہ) (الف) اس قطعہ میں بھی وہی خامیاں ہیں۔ جو بعض دوسرے شعرا کے لکھے ہوئے قطعات میں اوراق ماسبق میں لکھی جا چکی ہے۔یعنی (اول) قطعہ میں اس بات کا لفظاً کوئی اشارہ نہیں ہے۔کہ یہ قطعۂ تاریخ ہے۔ (دوم) مادۂ تاریخ جزو فقرہ سے حاصل کیا گیا ہے۔دراصل ''عرض کیا'' کے بعد تمام فقرے سے تاریخ نکلنی چاہیے تھی۔یعنی 'وطن سے دور خلد ہے آپ کا وطن اے ظفر جلا وطن'' مگر اس کے بجائے محض ''ظفر جلا وطن'' سے تاریخ حاصل کی گئی ہے۔ یہ ضعف تالیف کی تعریف میں آتا ہے۔مہر

(ب) ظفر کی ولادت کے ہجری اور عیسوی سنین میں اختلاف ہے۔ اس کے متعلق میں نے تحقیق و صحت کے خیال سے تقویم ہجری و عیسوی شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی بہ ۱۹۳۹ء کو دیکھا۔ اس میں ۱۷۷۵ء کے مقابلے میں ۱۱۸۹ھ لکھا ہے۔ چوں کہ بالعموم عیسوی سنہ ہی ذہنوں میں محفوظ اور نمایاں رہتا ہے۔ اس لیے عیسوی سنہ پر نظر رکھتے ہوئے اس کے مطابق ہجری سنہ دیکھا گیا۔ (۱۱۷۳ھ کو بنیاد رکھ کر اسی کے مقابل عیسوی سنہ نہیں دیکھا گیا) پس اس اعتبار سے سر راس مسعود کا ہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ظفر کی ولادت ۱۷۷۵ء مطابق ۱۱۸۹ھ میں ہوئی اور تاریخ ادب اردو کے مولف کا قول غیر صحیح ہے۔

اسی طرح آپ کا سال وفات ۱۸۶۲ء اگر صحیح قرار پاتا ہے۔ تو اس کے مطابق ۱۲۷۹ھ صحیح ہے۔ ۱۸۸۲ء صحیح نہیں۔ ۱۸۸۲ء کے مطابق ۱۲۹۹ھ ہوتا ہے۔ جو مندرجۂ بالا اور مندرجۂ ذیل قطعاتِ تاریخ کی روشنی میں ۱۲۷۹ھ ہی آپ کا سال وفات قرار پاتا ہے۔ جس کے مطابق ۱۸۶۲ء ہے۔ نہ کہ ۱۸۸۲ء۔

ظفر کی تاریخ وفات شعری امرت سری نے یہ لکھی ہے:

''سراجِ تیمور گل شدہ''

۱۲۷۹ھ

آپ کی لکھی ہوئی تاریخوں کے نمونے حسب ذیل ہیں۔

(۱) ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء میں آپ کے والد اکبر شاہ ثانی کی وفات ہوئی۔ آپ نے یہ تاریخ کہی:

پئے سالِ وفات گفت ظفر

''عرش آرام گاہ عالی قدر''

۱۲۵۳ھ

(تاریخ ادب اردو، تیسرا ایڈیشن، ص ۲۰۸)

(۲) ۱۲۷۱ھ میں آپ نے استاد ذوق دہلوی کی وفات پر کہا:

شبِ چار شنبہ بہ ماہِ صفر

بحکمِ خداوند جاں داد ذوق

ظفر روے اردو بہ ناخن زغم

ا

خراشید و فرمود ''استاد ذوق''

۱۲۷۲

ا -

۱۲۷۱ھ

(تاریخ ادب اردو تیسرا ایڈیشن، ص ۳۱۶)

(۹۸۵) ظفر ہاشمی

سید ظفر ہاشمی ابن سید سفر علی حسرتی، ساکن ضلع بھڑائچ (یو۔ پی، بھارت) وہیں ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۰ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول لال کوٹھی، کراچی میں ماسٹر تھے۔ (اب ۱۹۶۴ء میں بھی ماسٹر ہی ہیں)

آپ ۱۹۵۲ء میں پاکستان آگئے تھے۔ اس وقت سے کراچی ہی میں سکونت پذیر ہیں شعر و ادب سے بچپن ہی سے دلچسپی ہے۔ مشق سخن تقریباً چودہ سال سے جاری ہے۔

تاریخ گوئی سے بھی لگاؤ ہے۔ چند نمونے درج ذیل ہیں۔ جو موصوف نے خود بھیجے ہیں۔

(۱) ۱۹۳۸ء میں اقبال سیالکوٹی (ڈاکٹر اقبال) کی وفات ہوئی تو یہ قطعہ کہا:

جگر بھی کر نہ سکے ضبطِ فرقتِ اقبال

وفورِ غم سے تھی اک آہ سرد برلب جوش

بڑھا کچھ اور سرِ بزم ظلمتوں کا ہجوم

سحر سے قبل ہوئی ''شمع شاعری خاموش''

۱۹۳۸ء

(اشاریہ یہی مادہ تاریخ خواجہ دل محمد نے بھی نکالا ہے۔ جو دل کے حالات میں شامل تذکرۂ ہذا ہے۔ اگر چہ مادۂ تاریخ کے یہی الفاظ ہیں۔ مگر دل نے جس انداز اور صنعت سے اس کو شعر میں نظم کیا ہے۔ وہ اصولِ فن شاعری و تاریخ گوئی کے لحاظ سے بہت بلند ہے۔ مہر

(۲) ۱۹۴۷ء/ ۱۳۶۶ھ میں پاکستان قائم ہوا۔ تو تاریخ کہی:

کشورحرام
۱۳۶۶ھ

(۳) ۱۹۴۸ء (۱۳۶۷ھ) میں قائداعظم محمد علی جناح، گورنر جنرل پاکستان کی وفات پر یہ قطعہ کہا:

وہ قاطعِ زنجیر غلامیِ مسلماں
پیغامبرِ فتح و ظفر نازشِ آدم
افسوس کہ اب راہروِ راہِ ارم ہے
وہ بزمِ سیاست کا "خردمندِ معظم"
۱۹۴۸ء

(۴) ۱۹۶۰ء میں آپ کے اسکول کے ایک طالب علم ظفر اسلام کی وفات پر کہا:

صد حیف جولاں سال ظفر ہو گیا خاموش
یوں شمعِ نفس گل ہوئی۔ دیتی نہیں لَو بھی
کاندھوں پہ اجل کے ہے بہاروں کا جنازہ
ہے "زینبِ آغوشِ خدا اک گلِ نو بھی"
۱۹۶۰ء

[مطبوعہ مجلہ "حیاتِ نو"، جون ۱۹۶۰ء، ص ۲۸
طبع کردۂ گورنمنٹ بوائز سیکنڈری اسکول نمبر۲ پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس۔ کراچی]

(۹۸۶) ظریف جبل پوری

سید حامد رضا نقوی ابن سید مہدی حسن، ساکن جبل پور، ۲۶ر نومبر ۱۹۱۴ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ کو جبل پور میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم پائی۔ ۱۹۳۴ء میں میٹرک پاس کیا۔ پاکستان بننے کے بعد کراچی آئے۔ نیول ہیڈ کوارٹر کراچی (متصل نیپئر بیرکس) کے دفتر میں ملازم تھے۔ یکم مارچ ۱۹۶۴ء بمقام کراچی انتقال ہوا۔

شعروسخن سے طبعًا ذوق تھا؛ مزاح سے قدرتی طور پر لگاؤ رہا۔ اس لیے آپ کا کلام بالعموم مزاحیہ ہوتا تھا۔ دورِ حاضر کے بعض واقعات کو اپنے رنگ میں نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ نظم کیا ہے۔ آپ کا ایک مجموعۂ کلام "تلافیٔ ظرافت" طبع ہوا تھا۔

آپ کو شعروشاعری کے ساتھ تاریخ گوئی میں بھی ملکہ تھا۔ آپ کے مجموعۂ کلام "تلافیٔ وفات" میں ۱۸ قطعات ہیں۔ ۱۹۴۴ء کا قطعہ اس مجموعے میں دوسرے قطعات سے دیرینہ تر ہے۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے اپنی تاریخ گوئی کی ابتدا کب سے کی۔ اور سب سے پہلا مادۂ تاریخ کون اور کس سنہ میں کہا۔ ممکن ہے کہ ابتدائی تاریخ یاد بھی نہ رہی ہو۔ بہرکیف بیس سال کا زمانہ ایسا ثابت ہے کہ جب سے آپ کا قطعۂ تاریخ محفوظ ہے۔

آپ کے مجموعے میں جو قطعات ہیں۔ ان میں مزاح کا رنگ حرف ایک قطعہ میں ملتا ہے جو آپ نے پاکستان میں اعشاری سکے رائج کیے جانے پر ۱۹۶۱ء میں کہا۔ باقی قطعات یا تاریخی رباعی میں یا تو مزاح کا رنگ بالکل نہیں ہے۔ یا ہے تو محسوس نہیں ہوتا۔ بہرحال چند قطعات یہاں درج ہیں۔

(۱) ۱۹۴۴ء میں آپ کی والدہ کا انتقال ہوا۔ تو تاریخ کہی۔ جس کا آخری مصرع ہے:

"وہ خادمۂ بنتِ نبیؐ خلد مکیں ہے"
۱۹۴۴ء

(ت۔م، ص ۲۶۱)

(۲) ۱۹۴۷ء میں آپ کے والد (سید مہدی حسن) کا انتقال ہونے پر یہ قطعہ کہا:

والدِ ماجد ہمارے سید مہدی حسن
عاشقِ آلِ پیمبر عابد و زاہد فہیم
پیرو شرع محمدؐ متقی پرہیزگار
وہ اچانک موت ان کی سانحہ وہ بھی عظیم
تھے وہ مصروفِ تلاوت دل کی حرکت رک گئی
"روحِ جنت میں واسینے پہ قرآن کریم"
۱۹۴۷ء

(ت۔م، ص ۲۶۲)

(اشاریہ) اس میں سالِ تاریخ ہونے کا اشارہ نہیں ہے۔ مہر

(۳) ۱۹۵۳ء میں خان بہادر سید ذاکر علی سہوی (شاگرد مرزا اوج لکھنوی) کی وفات پر کہا:

(رباعی)

وہ زینتِ منبر وہ ثنا خوانِ علیؑ
مداحِ حسینؑ ابن علیؑ تھے سہوی
خوشنودی زہراؑ سے ملا اوجِ حسن
''جنت میں ہیں وہ ذاکر فرزندِ نبیؐ''

۱۹۵۳ء

(ت۔م، ص۲۶۳)

(اشاریہ) اس میں بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ رباعی تاریخی ہے۔ مہر

(۴) ۱۹۵۸ء/ ۱۳۷۸ھ میں پاکستان بحریہ کے لیفٹیننٹ کمانڈر ٹی۔ کے۔ قدوائی کی زوجہ عاصمہ کا انتقال ہوا— تو قطعۂ تاریخ کے بطرز مثنوی کہا۔ دو آخری شعر یہ ہیں:

توصیف کیا ہو اس کے مزاج و خصال کی
تاریخ غیب سے یہ ملی انتقال کی
جنت مکیں ہوئی وہ محمدؐ کی خادمہ
''امنِ جوارِ رحمتِ حق میں ہے عاصمہ''

۱۳۷۸ھ

(اشاریہ) اس قطعہ میں تاریخ کا تو ذکر آ گیا۔ مگر ''تاریخ غیب سے یہ ملی انتقال کی'' کے فوراً بعد اس کی خبر ''امنِ جوارِ رحمتِ حق میں ہے عاصمہ'' ہونا چاہیے تھا۔ مگر ان دونوں مصرعوں کے درمیان (تیسرا مصرع) آ جانے سے یہ التباس ہوتا ہے کہ تیسرا اور چوتھا دونوں مل کر تاریخ انتقال ہے۔

مگر دراصل صرف چوتھے مصرع سے سالِ وفاتِ عاصمہ کے اعداد (۱۳۷۸) حاصل ہوتے ہیں۔ اس طرح کا طرزِ بیان ضعفِ تالیف کی تعریف میں آتا ہے۔ مہر

(۵) ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء میں اسد ملتانی کا انتقال ہوا۔ تو ظریف نے تاریخیں کہیں:

(الف)

''شمع ادب خاموش ہے''

۱۳۷۹ھ

(ب)

تاریک آج انجمن شعر ہو گئی
یعنی اسد بھی راہیٔ ملک بقا ہوا
وہ تھا چراغِ انجمنِ شعر اے ظریف
کہہ دو ''چراغِ انجمنِ شعر بجھ گیا''

۱۹۵۹ء

(ت۔م، ص۲۷۳)

(۶) ۱۹۶۰ء میں جگر مراد آبادی کا انتقال ہوا۔ آپ نے تاریخ کا قطعہ کہا۔ آخری تین شعر یہ ہیں:

اٹھ گیا دنیا سے وہ صاحبقرانِ ملک شعر
سلطنت نے بھی جسے مانا تھا سلطانِ غزل
ہاں! غزل تھی اس شہنشاہِ غزل کی زندگی
سوگوارانِ جگر ہیں، سوگوارانِ غزل
فکر تھی تاریخ رحلت کی کہا دل نے ظریف!
''موت کیسی، ہو گیا ویران ایوانِ غزل''

۱۹۶۰ء

(اشاریہ) اس قطعہ کے آخری شعر کے مصرعِ اولیٰ میں انداز بیان بالکل درست اور مکمل ہے۔ اسی سے یہ بات خود قطعہ کی زبان سے ادا ہو رہی ہے۔ کہ یہ قطعۂ تاریخِ وفات ہے۔ مہر

(ت۔م، ص۲۷۷)

(۷) ۱۹۶۱ء میں پاکستان گورنمنٹ نے اعشاری سکے (ایک روپیہ میں سولہ آنے یا چونسٹھ پیسے کے بجائے سو پیسے) رائج کیے۔ تو آپ نے اس کی بھی تاریخ کہی:

تھی جو پیسے کی کمی غم بھی تھے کیسے کیسے
اب بڑے ٹھاٹھ ہیں اب ہم نہیں ایسے ایسے
اپنی تنخواہ ظریف اب تو یہ کہہ کر لیں گے
''لاؤ اڑتیس ہزار آٹھ سو اکسٹھ پیسے''

۱۹۶۱ء

(ت۔م،ص۲۶۰)

(اشاریہ) (الف) آپ کی تنخواہ تو کچھ زاید تھی۔ مگر فنڈ وغیرہ کے وضع ہونے کے بعد آپ کو (۳۸۸) روپیہ اکسٹھ پیسے ماہانہ ملتے تھے۔

(ب) اس قطعہ میں بھی اسلوب بیان میں قطعۂ تاریخ ہونے کا اشارہ لفظاً نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ کے اور بعض شعرا کے دوسرے قطعات میں پہلے بھی بتایا جاچکا ہے۔ مہر

(۸) ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے جج مسٹر جسٹس ایم۔ آر۔ کیانی کا انتقال ہونے پر ظریف نے قطعۂ تاریخ کہا۔ اور دو سرخیوں سے بھی تاریخیں حاصل کیں۔ دونوں سرخیاں اور قطعۂ تاریخ درج ذیل ہے:

''صاحبِ ارم روحِ کامرانی فردوس مکیں جسٹس کیانی''

۱۹۲۶ء

اذکارِ غم

۱۹۲۶ء

''ماہرِ قانون دانشور مفکر یا ادیب''

۱۳۸۲ھ

(۹۸۷) ظریف لکھنوی

سید مقبول حسین ابن سید فضل حسین۔ وطن لکھنؤ۔ ولادت ۲۴؍ فروری ۱۸۷۰ء مطابق ۲۲؍ ذی قعدہ ۱۲۸۶ھ۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء کو بعمر ۶۷ سال انتقال ہوا۔ ۱۸۷۷ء سے تعلیم شروع کی تھی۔ کلام مجید

اپنی بھاوج (جناب صفی لکھنوی کی اہلیہ) سے پڑھا ۱۸۸۳ء میں مدرسہ میں پڑھنا شروع کیا۔ کتب درسیہ مولوی سید محمود واثق سے پڑھیں اردو اور اچھی خاصی فارسی نیز بقدر ضرورت انگریزی کی قابلیت حاصل کی۔ شعر وسخن کا مذاق بچپن ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ ۱۸۹۰ء سے مشاعروں میں جانا شروع کیا۔ مزاح کی طرف طبیعت فطرتاً مائل تھی۔ اور اسی طرف چل پڑی۔ بالآخر یہی رنگ پختہ ہو گیا۔ حافظہ بہت قوی تھا۔ صدہا اشعار ازبر یاد تھے۔

تاریخ گوئی میں بھی کافی مہارت تھی۔ چند قطعات بطور نمونہ درج ہیں۔

(۱) ۱۹۲۱ء میں ... نو خان بہادری کا خطاب ملا۔ تو آپ نے یہ تاریخی قطعہ کہا:

ہے قول یہ ساربانِ سال نو کا
مشاق ہے اس میں نہ کوئی استادی
اک لفظ میں مادہ پتہ دونوں ہیں
تاریخ ہے صاف سیدھی سادھی
اس خان بہادری کے محمل کے لیے
امسال ہے موزوں ''شترِ بغدادی''

۱۹۲۱ء

(۲) ۱۳۲۷ھ میں ایک صاحب کے گھر میں فرزند تولد ہوا۔ جس کا نام ''آغا'' رکھا گیا۔ ظریف نے ایک عدد کے تدخلہ سے تاریخ اپنے رنگ میں کہی۔ آخری شعر ہے:

تاریخ لکھ دو ایک الف کھونس کر ظریف!
''مولودِ بوم زادہ ہے، آغا کہیں جسے''

۱۳۲۶
+۱
۱۳۲۷

(۳) ۱۳۴۸ھ میں کاظم علی کی وفات پر کہا:

''بن چکا کاظم علی کا مدفن آہ''

۱۳۴۸ھ

(دیوان جی)

(۹۸۸) غالب دہلوی

اسد اللہ خاں ابن مرزا عبداللہ بیگ خاں۔ ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۶ء میں بمقام آگرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ ایک ترکمان سے ملتا ہے۔ جو وسط ایشیا کے رہنے والے تھے۔ اور جو اپنے آپ کو سلاطین سلجوقیہ کی وساطت سے فریدوں بادشاہ کی نسل سے سمجھتے تھے۔ آپ کے دادا سب سے پہلے ہندوستان میں آئے۔ اور انھوں نے شاہ عالم بادشاہ کے دربار میں عزت پائی

غالب نے شروع میں نظیر اکبرآبادی سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ چودہ سال کی عمر میں ایک پارسی سے (جس نے مذہب اسلام قبول کر لیا تھا، اور عبدالصمد نام رکھا تھا) اکتسابِ علم کیا۔ اور فارسی میں مہارتِ تام حاصل کی۔

۱۲۱۶ھ میں آپ (بعمر چار سال) دہلی پہنچے تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں ہی ماموں کے اثر سے طبیعت پر شاعری کا گہرا اثر ہو گیا تھا۔ شروع میں فارسی ہی میں شعر کہتے تھے۔ پھر اردو میں بھی کہنے لگے۔ پہلے اسد تخلص رکھا۔ پھر غالب رکھ لیا۔ اور رفتہ رفتہ بہت بلند اور عمدہ شعر کہنے لگے۔ حتیٰ کہ آپ بہت ماہرِ فن اور آسمانِ شاعری کے درخشندہ ستارے نیز اپنے زمانے کے استاد کامل اور فلسفی شاعر مانے گئے۔

مرزا نوشہ آپ کا لقب تھا۔ نجم الدولہ۔ دبیر الملک اور نظام جنگ کے خطابات بادشاہِ دہلی نے عطا کیے۔ ۱۲۷۱ھ میں ذوق دہلوی کی وفات کے بعد بادشاہ ظفر کے استاد مقرر ہوے۔ نواب یوسف علی خاں والئی رام پور کے بھی استاد تھے۔

۳؍ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۵؍فروری ۱۸۶۹ء کو بعمر ۷۳ سال چارہ ماہ بمقام دہلی وفات پائی۔ وہیں دفن ہیں۔

آپ نے اردو فارسی غزلیات و قصاید اور قطعات کے علاوہ تاریخی قطعات بھی کہے ہیں۔ تاریخ گوئی میں بھی اپنی فطرتِ منفردہ کی طرح انفرادیت اور جدت پائی جاتی ہے۔ ہسٹری، ریاضی اور ہندسہ سے آپ کو مطلق دلچسپی نہ تھی۔ اسی طرح مرثیہ اور تاریخ گوئی سے بھی خاص لگاؤ نہ تھا۔ پھر بھی متعدد تاریخیں کہی ہیں۔

(تاریخ ادب اردو، ص ۳۲۱ تا ۳۴۲)

(اشاریہ) صاحب تاریخ ادب اردو نے صفحہ ۳۲۷ پر آخری سطر میں لکھا ہے کہ (مرزا کو) ''تاریخ گوئی سے کوئی لگاؤ نہ تھا'' یہ قول صحیح نہیں۔ معلوم نہیں کہ رام بابو سکسینہ نے یہ الفاظ کیسے لکھ دیے۔ ورنہ غالب کی کہی ہوئی تاریخیں موجود ہیں۔ سکسینہ کی مندرجۂ بالا رائے پر خود مرزا عسکری (مترجم تاریخ ادب اردو) نے حسبِ ذیل نوٹ درج کیا ہے۔ جو اسی صفحہ ۳۲۷ اور صفحہ ۳۲۸ پر ہے۔

یہ کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کہ مرزا کو تاریخ گوئی سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ یوں تو ان کے اردو کے دیوان میں بھی دو تین تاریخیں موجود ہیں۔ مگر فارسی میں تو متعدد عمدہ تاریخیں ان کے قطعات میں شامل ہیں۔ مثال کے طور پر ہم دو تاریخی مادے لکھتے ہیں۔ جو بالکل نئے ڈھنگ سے نکالے گئے ہیں:

تاریخ وفات مرزا سیتا بیگ
ز سالِ واقعۂ میرزا سیتا بیگ
مآت راست شمارس ائمۂ امجاد
صحیفہائے سماوی مبین ازعشرات
حدیقہائے بہشتی مشخص از آحاد
بحرمتِ دہ و دو ہادی و چہار کتب
کہ دریشمینے از ہشت خلد جائش باد

اس سے ۱۲ سیکڑے چار دہائیاں اور ۱۸ اکائیاں یعنی ۱۲۴۸ھ نکلتے ہیں۔

اسی طرح ایک دوسری تاریخ میں فرماتے ہیں:

جستم از سالِ رحلتش اثر سے
گفت غالب کہ خود ز روے شمار
از بروجِ سپہر، جوے، مآت
عشرات از کواکبِ سیار
گفتم آحاد گفت شرمت باد
از خداوندِ واحد لقہار

اس میں بارہ سیکڑے، سات دہائیاں اور ایک اکائی یعنی کل ۱۲۷۱ نکلتے ہیں۔مہر مترجم تاریخ ادب اردو کے مندرجہ بالا اظہار خیال کی مزید تائید بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہوں حسب ذیل تاریخی قطعات جو میں نے مختلف کتب سے حاصل کیے ہیں۔سکسینہ کے خیال کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ (اول) یا تو ان کو تاریخی معلومات ہی کم تھیں۔اور اسی وجہ سے غالب کے تاریخی قطعات پر ان کی نظر ہی نہ پڑی۔ (دوم) یا غالب نے جن ترکیبوں سے تاریخیں کہی ہیں۔وہ ان کی سمجھ میں نہ آئیں۔ اور ایسی ترکیبوں سے تاریخیں کہنے کو انھوں نے تاریخ گوئی سمجھا ہی نہ ہو۔ حالاں کہ اسی قسم کے معمائی پیچ وخم کے ساتھ مومن دہلوی نے بہت سے تاریخی قطعات لکھے ہیں۔

غرض کہ غالب نے باوجود اس کے کہ ان کو حسابی ترکیب سے الجھن ہوتی تھی۔ پھر بھی بہت تاریخیں کہی ہیں۔جن میں کئی تاریخیں مکمل مادۂ تاریخ کی صورت میں بھی ہیں۔کئی تاریخیں تعمیہ و تخرجہ کے ذریعے سے بھی نکالی ہیں۔اور کئی بطور معما۔

آپ کی تاریخوں میں سب سے پرانی تاریخی ۱۲۴۱ھ کی ملتی ہے۔اور شاید یہی تاریخ آپ کی سب سے پہلے تاریخ ہو۔ نادم سیتاپوری نے اپنی کتاب ''غالب نام آورم'' میں ص۱۰۱ پر لکھا ہے کہ ''مولوی فضل امام خیرآبادی کی وفات ۵رذی قعدہ ۱۲۴۰ھ (بارسو چالیس) کو ہوئی تو غالب نے قطعۂ تاریخ کہا۔ جو غالب کی شعری زندگی کا پہلا کارنامہ تھا۔ کیوں کہ وہ تاریخ و مرثیہ کے نام سے گھبراتے تھے۔

ممکن ہے کہ ۱۲۴۰ھ یا ۱۲۴۱ھ تک غالب کو فطرتاً حساب ہندسہ سے الجھن ہوتی ہو۔اور بعد میں ضرورتاً یا دلی شوق سے اس طرف توجہ کرنے لگے ہوں۔ اور رفتہ رفتہ آپ کو اس صنف میں بھی نفسیاتی طور پر مہارت ہوگئی ہو۔جیسا کہ ان کی بعض تاریخوں سے ظاہر ہے۔

آپ کی تاریخوں کے نمونے ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

(۱)۱۲۴۱ھ میں مولوی فضل عظیم کی تصنیف کردہ مثنوی مکمل ہوئی۔ غالب نے اتمامِ مثنوی کی تاریخ کہی:

چو از خامۂ فکرس فضل عظیم
فرو ریخت ایں سلکِ دُرّ یتیم

بایجاد تقریب عجز نیاز
شدم فکرِ تاریخ را چارہ ساز
درخشید برقے ز حبیبِ خیال
کہ ''کارِ عظیم'' است تاریخ سال
۱۲۴۱ھ

(۲) ۱۲۴۰ھ میں (۵رذی قعدہ کو) مولوی فضلِ امام خیرآبادی (متولد ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء) کو وفات ہوئی، غالب نے قطعۂ تاریخ کہا:

اے دریغا! قدوۂ اربابِ علم
کرد سوئے جنت الماویٰ خرام
چوں ارادت از پئے کسبِ شرف
جست سالِ فوت آں عالی مقام
چہرۂ ہستی خراشیدم نخست
۵
تابنائے تخرجہ گردد تمام
گفتم اندر ''سایۂ لطفِ نبیؐ''
۲۵۷
باد آرامشگہ ''فضلِ امام''
۹۹۲

(غالب نام آورم)

(اشاریہ توضیحی نمبر۱) ۲۵۷+۹۹۲ = ۱۲۴۹ – ۵ = ۱۲۴۴ھ

(اشاریہ نمبر۲) مولوی فضل امام کی وفات ''غالب نام آورم'' میں ۱۲۴۰ھ لکھی گئی ہے۔مگر مندرجۂ بالا قطعہ کی ترکیب و اشارات سے ۱۲۴۴ حاصل ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ۱۲۴۰ھ سالِ وفات قابلِ تحقیق مزید رہتا ہے۔''غالب نام آورم'' میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ''قطعہ مولوی صاحب موصوف کی لوحِ مزار پر لکھا ہوا تھا۔مگر اب قبر ہی کی نام ونشان نہیں۔لوحِ مزار کا کیا ذکر۔''

اب ایسی صورت میں لوحِ مزار کے ذریعے سے تو تحقیق ناممکن ہو گئی۔ البتہ کوئی دوسرا ذریعہ ہو سکتی ہو۔ تو وہ وارقم الحروف کی حد رسائی سے بہت دور ہے۔ البتہ اگر کوئی اور صاحبِ ذوق تحقیق و صحت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ مہر

(اشاریہ نمبر۳) یہ تاریخ اگر ۱۲۴۴ھ ہی میں کہی گئی تو ۱۲۴۱ھ والی تاریخ سب سے پہلے تاریخ قرار پاتی ہے۔ اور یہ ۱۲۴۴ھ والی دوسری۔ اور اگر فضل امام صاحب کی وفات ۱۲۴۰ھ ہی میں ہوئی۔ تو یہ تاریخ غالب کی سب سے پہلی تاریخ مانی جا سکتی ہے۔ مگر پھر اس کو غلط ماننا پڑے گا۔ کیوں کہ اس میں چار عدد زاید رہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مہر

(۳) ۱۲۴۴ھ میں بادشاہِ اودھ کی تقریب شادی پر یہ قطعۂ تاریخ کہا:

اسد اللہ خاں کہ خوانندش
در سخن غالبِ لطیفہ سگال
بہرِ ترتیب ایں ہمایوں جشن
کہ بجسرو خجستہ باد بفال
زد رقم "بزمِ عشرتِ پرویز"
۱۲۴۴ھ
وینکہ گفتم بود ز روئے وصال
ور تو خواہی کہ آشکار شود
نقشِ اندازۂ مسیحی سال
شاہدِ بخت پادشاہ نویس
وانگہش برفزائے "جشنِ کمال"

(از کلیاتِ غالب مطبوعہ ۱۹۲۵ء)

(اشاریہ)

(الف) اس میں بظاہر یہ اشارہ ہے کہ "شاہدِ بخت پادشاہ" کے اعداد پہلے لکھیے۔ پھر ان اعداد میں "جشنِ کمال" کے اعداد شامل کیجیے۔ تو ۱۲۴۴ھ کے مطابق عیسوی سال حاصل ہو جائے گا۔

(ب) مگر "شاہدِ بخت پادشاہ" کے اعداد (۱۶۲۵) ہوتے ہیں۔ ان میں "جشنِ کمال" کے اعداد

(۴۴۴) شامل کیے جائیں۔ تو مجموعہ ۲۰۶۹ ہوتا ہے۔ اس حساب سے مطلوبہ عیسوی سال (یعنی ۱۸۲۹ء مطابق ۱۲۴۴ھ) حاصل نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ کتاب کی یا فکرِ شاعر کی کوئی غلطی ہو۔ مہر۔

(۴) ۱۲۴۵ھ میں ایک مکان کی تعمیر پر یہ تاریخ کہی:

گفت تاریخِ بنائے آں مکاں
"آسمانے پایہ کاخِ دلنشیں"
۱۲۴۵ھ

(۵) ۱۲۴۵ھ ہی میں کلکتہ میں قاضی القضاۃ سراج الدین علی خاں کی قبر پر مسجد بنی ہوئی تھی۔ ان کے بھتیجے مولوی ولایت حسین خاں نے آپ کی تاریخ کی استدعا کی۔ اس سلسلے میں آپ نے اپنے ایک خط میں ذکر کیا ہے۔ جو میاں داد خاں سیاح کے نام لکھا ہے۔ اس میں متذکرۂ بالا تمہید لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میں نے یہ تاریخ لکھی۔ جو فارسی دیوان میں موجود ہے:

مفتیٔ عقل از پئے تاریخ ایں بنا
ایما بہ سوئے من زدہِ احترام کرد
گفتم بہ وے بدیہہ "خوشا خانۂ خدا"
شد خشمگیں دمے کہ نظر در کلام کرد
"خاشاک" رفت و پاے ادب در شکنجہ ریخت
۹۲۱ ۲
ایہام رابہ تخرجہ معنی تمام کرد

واسطے خدا کے غور کرو۔ "خوشا خانۂ خدا" مادہ پھر اس میں سے "خاشاک" کے عدد دور کرو۔ نو سو اکیس کا تخرجہ۔ پھر بھی دو اور زیادہ رہے۔ پائے ادب (یعنی ب) کے دو کم۔ بھلا یہ کوئی تاریخ ہے۔ مگر ہاں حساب کے قاعدے سے باہر کچھ معنی سگالی کے طور پر میرا ایجاد ہے۔

"اور وہ لطف رکھتا ہے ..."

(خطوطِ غالب از غلام رسول مہر، ص ۱۴۷۔۱۴۸)

(اشاریہ) "خوشا خانۂ خدا" کے ۲۱۶۸ ہوتے ہیں۔ ان میں سے "خاشاک" کے ۹۲۱ اور ب کے ۲۔ کل ۹۲۳ کم کیے۔ (۲۱۶۸ - ۹۲۳ = ۱۲۴۵) تو ۱۲۴۵ ہوئے یہی سالِ مطلوب ہے۔ مہر

(۶) ۱۲۵۰ھ میں تذکرۂ گلشن بے خار (از شیفتہ) مکمل ہوا۔ آپ نے تاریخ کہی۔

غالب! ایں رنگیں کتاب گلشنِ بے خار نام
روکشِ جنتِ تجری تحتہا الانہار ہست
گر کسے لب تشنۂ تاریخ اِتمامش بود
۱
''جوئے ہائے آب'' ہم در ''گلشنِ بے خار ہست''
۳۸ + ۱۲۱۳
۱۲۵۱
''لب تشنہ اتمام'' کے اشارے کے مطابق تخرجہ ۱
۱۲۵۰ھ

(گلشنِ بے خار، ص۲۵۹)

(۷) ۱۲۵۵ھ میں ایک کنواں تیار ہوا۔ اس کی تاریخ لکھی۔

خود ''چشمۂ فیضِ ابدی'' گفت بہ غالب
۱۲۵۵ھ
بنوشت چو آں دلشدہ از راز خبر یافت
بستودہ دریں قطعہ در آورد و ہماں وقت
تاریخ دگر نیز بامعانِ نظریافت
''خرشید زمیں'' گفت زمزمہ ''دل'' بست
۱۲۲۱ ۳۴
ویں تعمیر را خوبتر از گنجِ گہر یافت

(اشارہ) ''خرشید زمیں'' کے ۱۲۲۱ میں ''دل'' کے ۳۴ عدد جمع کیے۔ تو ۱۲۵۵ ہو گئے۔ مہر

(۷) ۱۲۶۰ھ میں قرآنِ حکیم کی ایک تفسیر جو کسی بزرگ نے لکھی تھی، ختم ہوئی تو غالب نے یہ قطعہ لکھا:

چوں سید بزرگ چنیں مصحفِ مجید
ناگاہ پیشِ غالب مسکین مستہام
آورد و گفت، کایں گہر آگیں صحیفہ را
''ختم الصحایف'' آمدہ تاریخِ اختتام
۱۲۶۰ھ

(۹) ۱۲۷۷ھ میں میر فضل علی کی وفات پر کہا:

چو ''میر فضل علی'' را نماندہ است وجود
۱۲۷۰
تو روئے دل بخراش اے اسیر رنج و محن
۴
چو شد وجود گم و روئے دل خراشیدہ
شود ز اسم خودش سالِ رحلتش روشن

یعنی ''میر فضل علی'' جس کے اعداد (۱۲۷۰) ہیں۔ جب ان کا وجود گم ہو گیا۔ (انتقال کر گئے) اور روئے دل (دال کے چار عدد) چھیل دیے۔ تو (۱۲۷۰-۴) اس طرح ۱۲۶۶ھ سالِ رحلت ظاہر ہو گیا۔ مہر

(۱۰) ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء میں مرزا جعفر کی شادی پر غالب نے دونوں سنوں میں تاریخیں کہیں۔

(الف) سنہ عیسوی لفظ ''محظوظ'' (۱۸۵۴ء) سے حاصل کیا۔

(ب) سنہ ہجری کی یہ تاریخ کہی:

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
ہوا بزمِ طرب میں رقصِ ناہید
کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے
تو بولا ''انشراحِ جشنِ جمشید''
۱۲۷۰ھ

(مطبوعہ، روزنامہ ''امروز''، کراچی ۲۵ اگست ۱۹۵۷ء)

(۱۱) ۱۲۷۱ھ میں ذوق دہلوی کی وفات پر کہا:

گویند رفت ذوق ز دنیا ستم بود
کاں گوہر گراں نہ رخشتِ گل و نہند
تاریخ فوت شیخ بود ''ذوق جنتی''
۱۲۶۹
دل احباب + ۲
۱۲۷۱
بر قول من رو است کہ احباب دل نہند
۲

(نگار، جولائی نمبر ۱۹۶۰)

(۱۲) ۱۲۷۳ھ میں معتبر الدولہ محبوب علی خاں کی وفات پر کہا۔ جن کا انتقال مرض استسقا میں ہوا۔

چوں معتبر الدولہ بداں سیرتِ خوب
مستسقی مردود شد مبّرا ز ذنوب
محبوب علی خاں بہ جہاں اسمش بود
تاریخِ وفات شد ''دریغا محبوب''
۱۲۷۳ھ

(کلیاتِ غالب)

(۱۳) ۱۲۷۴ھ میں آپ کے بھائی مرزا یوسف کی وفات ہوئی۔ آپ نے قطعۂ تاریخ لکھا۔ جس کا ذکر اپنے خطوط میں ایک جگہ کیا ہے:

ز سالِ مرگ ستم دیدہ میرزا یوسف
کہ زیستے بہ جہاں در زخویش بیگانہ
یکے در انجمن ازمن ہمی پژوہش کرد
کشیدم ''آہے'' و گفتم ''دریغ دیوانہ''
۱۲۹۰ ۱۶
تخرجہ ۱۶
۱۲۷۴ھ

(امروز، کراچی ۲۵ اگست ۱۹۵۸ء)

(۱۴) ۱۲۷۸ھ میں حلیم محمد علیم خاں خستہ جے پوری (نبیرۂ حلیم واصل خاں دہلوی) عرف ''بہرے حکیم'' نے علم طب کی ایک کتاب لکھی جس کا تاریخی نام ''تکثیفِ حکمت'' ہے۔ یہ کتاب ۱۲۷۹ھ میں بمطبع منشی نولکشور، لکھنؤ طبع ہوئی۔ اس کی طباعت پر سات شعرا نے تاریخی قطعات لکھے۔ جو کتاب کے آخر میں چھپے ہوئے ہیں۔ (ان کی تفصیل خستہ جے پوری کے ذیل میں شامل اوراقِ ہذا ہے) ان قطعات میں سے ایک قطعہ غالب کا بھی ہے۔ جو میرے خیال میں غالب کے قدیم دیوان، نیز جدید مطبوعہ کلام یا یادگارِ غالب وغیرہ میں شامل نہ ہو سکا۔ یہ کتاب ''تکثیف علامہ عرشی نے اس کو تلاش کر کے ''مکاتیب غالب'' میں شامل کر لیا۔ تاہم یہ

قطعہ ایک حیثیت سے کمیاب ضرور ہے۔ ملاحظہ ہو:

سلیم خاں کہ وہ ہے نور چشم واصل
حکیم حاذق و دانا ہے وہ لطیف کلام
تمام دہر میں اس کے مطب کا چرچا ہے
کسی کو یاد بھی لقمان کا نہیں ہے نام
اسے فضایل علم و ہنر کی افزائش
ہوئی ہے مبدعِ عالم سے اس قدر انعام
کہ بحثِ علم میں اطفالِ ابجدی اس کے
ہزار بار فلاطوں کو دے چکے الزام
عجیب نسخۂ نادر لکھا ہے اک اس نے
کہ جس حکمت و طب ہی کے مسئلے ہیں تمام
نہیں کتاب ہے اک منبعِ کتابِ بدیع
نہیں کتاب ہے اک معدنِ جواہر کام
کل اس کتاب کے سال تمام میں جو مجھے
کمالِ فکر میں دیکھا خرد نے بے آرام
کہا یہ جلد کہ تو اس میں سوچتا کیا ہے
''لکھا ہے نسخۂ تحفہ'' یہی ہے سالِ تمام
۱۲۷۹ھ

(تکثیفِ حکمت)

(۱۵) ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۳ء میں نواب گورنر جنرل لارڈ الگن کی وفات ہوئی۔ تو آپ نے یہ تاریخ کہی:

''کیا غضب ہے ہے''
۱۸۶۳ء

(اردوئے معلّی، حصہ اوّل، ۳۰۵)

(۱۶) ۱۲۸۰ھ میں نواب میر جعفر علی خاں کا انتقال ہوا۔ جو غلام بابا خاں کے خسر تھے۔ غالب نے ان نام ایک خط لکھا ہے۔ جس میں میر جعفر کی وفات کا قطعہ بھی ہے۔

نواب میر جعفر علی خاں جسا امیر روشن گہر نام آور، روشناسِ اعیاں ہندو انگلینڈ وسط جوانی بعمر ۴۶ برس کی عمر یوں مر جائے ... قطعۂ سالِ رحلت نواب غفراں مآب جب دل خارِ غم سے پرخوں ہوا یوں موزوں ہوا:

گردید نہاں مہر جہانتاب دریغ
شد تیرہ جہاں بچشم احباب دریغ
ایں واقعہ رازِ روئے زاری غالب
۷
تاریخ رقم کرد کہ "نواب دریغ"
۱۲۷۳
+ ۷
۱۲۸۰ھ

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۵)

(۱۷) رامپور (اسٹیٹ) میں بعہد نواب کلب علی خاں "باغِ بےنظیر" تیار کروایا گیا۔ اس باغ میں ایک میلہ ۱۸۶۶ء/۱۲۸۲ھ سے شروع ہوا۔ غالب اس میلے میں بوجہ ضعیفی شریک نہ ہو سکے۔ دوسرے سال ۱۸۶۷ء/۱۲۸۳ھ کے میلے میں اپنی عدم شرکت کا افسوس اور شرکت کا اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے آپ نے ایک خط نواب صاحب کی خدمت میں ارسال کیا اور لکھا:

تین بیت کا قطعۂ تاریخ بھیجتا ہوں اگر پسند آئے تو میں خوشنودی مزاج کے مبارک سے اطلاع پاؤں۔ اگر حضرت کی مرضی ہو تو (اخبار) دبدبۂ سکندری میں تاریخ چھاپی جائے۔

قطعہ یہ تھا:

نمایش گہے در خورِ شان خویش
بر آراست نواب علی جناب

بہ بیں چوں طرب را نہایت نماند
۲
بود سالِ آں "بخشش بے حساب"
۱۲۸۵
تخرجہ ۲
۱۲۸۳ھ
خدایا پسند خداوند گار
کہ از طبع غالب رود پیچ و تاب

(مسدس بےنظیر)

(اشاریہ) "مکاتیب غالب" اور "خطوط غالب" میں یہ قطعہ کسی قدر تبدیلی کے ساتھ درج ہے۔ اور اشعار بھی تین کے بجائے پانچ ہیں۔ مہر

(۱۸) ۱۲۸۵ھ میں (یعنی اسی سال جس میں آپ کا انتقال ہوا) سید احمد حسن خاں کے گھر میں فرزند پیدا ہوا۔ غالب نے تاریخی رباعی لکھی۔ (اس کو اپنے خط بنام نواب ابراہیم علی خاں وفا میں لکھا ہے)

حق داد بہ سید ز پئے انعامش
فرخ پسرے کہ واجب است اکرامش
تاریخ ولادتش بود بے کم و بیش
"ارشاد حسین خاں" کہ باشد نامش
۱۲۸۵ھ

(خطوطِ غالب، ص ۱۳۵)

(اشاریہ) اتنی تعداد میں تاریخی قطعات کی موجودگی میں سکسینہ کا یہ کہنا کہ غالب کو تاریخ گوئی سے لگاؤ نہیں تھا۔ سکسینہ کی کم معلومات کی بین دلیل ہے۔ مہر

کہتے ہیں کہ غالب نے خود اپنی تاریخ وفات کے کئی مادے کہے:

(الف) ۱۲۷۷ھ میں "غالب مرد" (ب) ۱۲۷۹ھ میں "غالب بمرد"
۱۲۷۷ھ ۱۲۷۹ھ

(ج) ۱۲۸۳ھ میں "آہ غالب مرد"
۱۲۸۳ھ

مگر ان سالوں میں آپ کی وفات نہیں ہوئی۔ بلکہ ۱۲۸۵ھ میں انتقال کیا۔ مولانا آزاد دہلوی (مولوی محمد حسین) نے تاریخ لکھی:

''آہ غالب بمرد''

۱۲۸۵ھ

(آب حیات)

(۹۸۹) غیاث رامپوری

صاحب غیاث اللغات۔ دیکھیے عزت رامپوری۔ کیوں کہ آپ کا تخلص عزت تھا۔

(۹۹۰) غلام ساونی

غلام محمد ابن آخوند احمد۔ ''ساونی'' نسبتی یا خاندانی اضافہ۔ سکونت قصبۂ ہالا (سندھ) عربی و فارسی میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔ نثر میں خوب مشق تھی۔ آپ کے والد آخوند احمد، میر غلام محمد گدا تتوی کے استاد تھے۔ ساونی نے عین عالم جوانی میں ملکِ جاودانی کا سفر کیا۔

آپ کو تاریخ گوئی کا بھی شوق تھا۔ نمونہ درج ذیل ہے۔

آخوند محمد قاسم ہالائی (ساکن قصبۂ ہالا۔ سندھ) کی وفات ۱۲۹۸ھ میں ہوئی۔ آپ نے عربی زبان میں ۱۸ شعروں کا قطعہ لکھا۔ جس کے آخری شعر میں قلبِ ''یاس'' یعنی الف کے ایک عدد کا تخرجہ کر کے، مادۂ تاریخ پورا کیا ہے۔ وہو ہذا:

فَقُل فِی النّقلِ وَاقطَع قلبِ یاس
ا

''محمد قاسم جنّاتُ مَثواہ''

۱۲۹۹

تخرجہ ۱

۱۲۹۸ھ

(تکملہ مقالات الشعرا، ص ۴۶۵)